عالمی برادری کا
وحشتناک معاشرہ

مُصنّف
ادیبِ شہیر حضرت علامہ محمد ادریس رضوی ایم۔اے

ناشر
غوث الوریٰ اکیڈمی
زیرِ اہتمام : الجامعۃ الرضویہ کلیان تھانہ مہاراشٹر

عالمی برادری
کا وحشت ناک معاشرہ

ادیب شہیر مولانا الحاج

محمد ادریس رضوی (ایم، اے)

رابطہ

Mohammad. Idris Razavi
Sunni Jama Masjid Patri Pool Kalyan
421306 Maharashtra

غوث الوریٰ اکیڈمی

(زیر اہتمام) الجامعۃ الرضویہ کلیان (مہاراشٹر)

نام کتاب	:عالمی برادری کا وحشت ناک معاشرہ
مصنّف	:محمد ادریس رَضوی۔۔۔موبائیل 9869781566
حسبِ فرمائش	:مولانا محمد کاشف رضا شاد مصباحی (گلبرگہ کرناٹک)
	:جناب سیّد یاسین علی قادری، پتری پُل، کلیان
بااہتمام	:مولینا محمد مسعود رضا قادری، الجامعۃ الرضویہ کلیان
ڈیزائننگ	:محمد شمشاد عالم رضوی۔ رضوی کمپیوٹر سینٹر جامعہ رضویہ کلیان
صفحات	:۱۵۲ تعداد: ۱۱۰۰
قیمت	:۷۰
سال اشاعت	:: جنوری ۲۰۱۴ء مطابق ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ
ناشر	:غوث الوریٰ اکیڈمی (زیر اہتمام الجامعۃ الرضویہ کلیان)

ملنے کے پتے

☆سنی جامع مسجد، پتری پُل، کلیان ۴۲۱۳۰۶

☆مولانا محمد مسعود رضا قادری، جامعہ رضوی، رضا نگر بیل بازار، کلیان (مہاراشٹر)

☆مولانا محمد کاشف رضا شاد، دار العلوم رضائے مصطفٰے، احمد رضا کالونی، رنگ روڈ، گلبرگہ

☆مولانا محمد مقیم الدین عنبر، مدرسہ رضویہ دار القرآن عربیہ، کردھولی، ضلع دربھنگہ

☆مولانا قیصر علی مصباحی Masjid,E,Khalid.17Moneda Avenue Moorton Chatsworth4092 Durban

☆ڈاکٹر محمد توصیف رضا، حافظ قاری محمد قمر رضا، رضا منزل، مدلمن، پوسٹ کروا، ضلع دربھنگہ

Aalmi biradri Ka Wahshatnak Muaashra

By

Mohammad Idris Razvi M.A

Year :2013

Price:Rs.

Jama Masjid,PatriPool

P.O.Katemaniwali

KALYAN(E)421306(M.S.)

idris367@gmail.com' Mobile:9869781566

ناشاد ممالک پر ایک نظر

عرضِ ناشر

قارئین کرام! نشر واشاعت بہت ہی مشکل کام ہے لیکن اس کے اثرات دیر پا ہیں اسی شعبہ کی بدولت ہمارے اسلاف واکابرین کے قلمی اثاثے ہم تک پہنچے ہیں، جنہیں پڑھ کر ہم اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور عوام الناس بھی مستفید ہوتے ہیں، اگر اس سلسلہ کو بند کر دیا جائے تو ہم ماضی بہت سارے واقعات واخبار سے محروم ہو جائیں گے۔

انہیں باتوں کے پیش نظر ''غوث الوریٰ اکیڈمی کلیان،، وجود میں آئی اور منصوبہ تیار ہوا کہ اس ادارہ کے سے نشر واشاعت کا کام لیا جائے ۔بفضلہٖ مولیٰ تعالیٰ بڑی حد تک اپنے منصوبہ میں کامیاب ہیں۔اس سے قبل ہم اس ادارہ سے بہت سی کتابوں، رسائلوں اور پمفلٹ (PamPhlet) کے علاوہ کئی اہم شخصیات کی تصانیف بھی شائع کر چکے ہیں جن میں ''نغماتِ بخشش ۔وسیلہ، بخشش ۔سبیلِ بخشش ۔امام احمد رضا اور کنز الایمان ۔ھجری اسلامی ماہ وسال کے اجالے میں ۔نماز مومن کی معراج ہیں ۔سہ ماہی مجلہ المختار کلیان ۔امام علم وفن نمبر قابل ذکر ہیں۔

اس سلسلے کو بڑھاتے ہوئے ہم ادیب شہیر حضرت علامہ محمد ادریس رضوی صاحب قبلہ کی تصنیف ''عالمی برادری کا وحشت ناک معاشرہ شائع کرنے جارہے ہیں، امید قوی ہے کہ یہ کتاب آپ کو پسند آئے گی۔

غوث الوریٰ اکیڈمی نیز الجامعۃ الرضویہ بیل بازار مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ والدھونی کلیان جن میں قوم وملت کے دوسو نونہالوں کی آبیاری اور انہیں تعلیم وتربیت سے آراستہ وپیراستہ کا پورا نظم ہے۔نشر واشاعت اور تعلیم وتربیت صرف آپ کے مالی تعاون پر منحصر ہے۔لہذا! زیادہ سے زیادہ مالی اعانت فرما کر دنیا میں فلاح اور آخرت میں اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

محمد جہانگیر اشرف رضوی

9323737659

تماشائے عالم

حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا رضی اللہ عنہا سے دنیا کی ابتدا ہوئی.... آپ جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو دو کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا.... ایسے عالم میں بھی آپ انسانیت، شرم وحیا و غیرت کے عظیم پیکر بن کر رہے.... اپنی اولاد کو شرم وحیا و غیرت کا سبق پڑھایا.... انسانیت کے رموز سے واقفیت کا درس دیا.... عفت و عصمت کی قدر و قیمت اور حفاظت کرنے کی تنبیہ کی۔

آبادی بڑھتی گئی لوگ زمین پر پھیلتے گئے.... ان میں سے کچھ علم و عمل سے بیگانہ بنے.... جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے.... شرم وحیا و غیرت کے دامن کو ہاتھوں سے چھوڑ دیا.... راہِ اُستوار سے الگ ہو گئے.... گناہوں میں دلچسپی لینے گئے.... ان کو سدھارنے کے لیے انبیائے کرام تشریف لاتے رہے.... ان کو سیدھا راستہ بتاتے رہے.... انسان گر گر کر سنبھلتا رہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً ساڑھے پانچ سو سال تک کوئی نبی تشریف نہیں لائے... اس دور میں ہر طرح کی برائیاں عام ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا... آپ تشریف لائے... لوگوں کو صراط مستقیم پر بلایا... بگڑی ہوئی قوم کو سدھار دیا... معاشرے کو برائیوں سے پاک کر دیا... عورتوں کو ان کی امید سے زیادہ عزت کا مقام دیا... پاک دامن عورتوں کو دین و دنیا اور آخرت کی بشارتیں سنائی... شرم وحیا و غیرت کو ایمان کا حصہ بتایا، لیکن آج کے دور میں عالمی برادری کا معاشرہ ان گنت برائیوں اور بیماریوں میں گھرا ہوا نظر آ رہا ہے... پسماندگی... زبوں حالی... ناداری... افلاس... جرائم... جہالت... انتشار... تعصّبات... توہمات ... انتہا پسندی... قتل و غارتگری... دہشت گردی.. . لوٹ اور اغوا... غصب اور خیانت... بدعنوانی... جھوٹ... ملاوٹ... دھوکہ دہی... چوری... ڈکیتی... خودکشی... خودسوزی... عریانیت و فحاشی... عصمت

دری اور عصمت فروشی...نفسانی خواہشات...شہوات ولذات...ہم جنس پرستی...لڑکے ولڑکیوں میں بے حیائی و بے شرمی...سرِ عام بوس و کنار...ہیجان انگیز حرکتیں...عریاں اشتہارات ...عریاں جسم... .عریاں پکنک...عریاں فلمیں...عریاں میگزین...عریاں فیشن شو...متعدد قسم کی نشہ خوری...حقہ پالروں کی وبا...غربت و بے روزگاری...لڑکے اورلڑکیوں میں آوارگی...بیہودگی...بے راہ روی...بد چلنی...گندے خیالات...گندی حرکتیں...گندی صحبتیں...والدین کا تغافل...بڑوں کی فراموشی... لاڈ پیار...بیجا نازنخرے کے تماشے جیسی صورت نے عالمی معاشرے کو اپنے شکنجے میں لے لیا ہے، نتیجہ کے طور پر جو ظاہر ہوتا ہے وہ سامنے ہے...ظلم و جور...بندش و قیود...قید و بند کی سزائیں...بدنامی... ذلت و رسوائی...معاشرتی خرابی۔

اصلاحِ معاشرہ پر معدودے چند کام کرنے والے اسی طرح سے پریشان ہیں کہ سر ڈھانکو تو پیر کھلے اور پیر ڈھانکو تو سر کھلے، ایک گلی میں اصلاح کا کام ہوتا ہے تو دوسری گلی بگڑ جاتی ہے، دوسری گلی میں سدھار پیدا ہوتا ہے تو تیسری گلی میں آگ لگ جاتی ہے، ایک فرد سدھرتا ہے تو پانچ بگڑتا ہے، نہ باپ کو بیٹے کے آوارہ ہونے کی فکر، نہ ماں کو بیٹی کی عصمت کے لٹنے اور بگڑنے کا غم ہے، نہ بھائی کو بہن کے بدکردار ہونے کی پرواہ، نہ بہن کو بھائی کے آوارہ ہونے کا صدمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ یوروپ وامریکہ میں نو سال سے لے کر چالیس سال تک کی کنواری ماؤں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے، اور حیرت تو یہ ہے کہ وہاں کا بے حیا معاشرہ خوشی سے ان ماؤں کی ناجائز اولاد کو قبول کر رہا ہے۔

ان ممالک کی کنواری ماؤں کو دیکھ کر ہمارے ملک کی بہت ساری لڑکیاں بھی کنواری مائیں بننے کی کوشش تو کرتی ہیں لیکن ہمارا مشرقی معاشرہ نہ ان ماؤں کو، نہ ان کی اولاد کو قبول کرتا ہے، اس لئے ایسی لڑکیاں حمل ضائع کرتیں اور کرواتیں، حمل ضائع کرنے اور کروانے میں کامیابی نہ ملنے کی صورت میں ناجائز بچے جننے کے بعد بچے کو ہلاک کرڈالتیں، یا خودکشی کرلیتیں یا طوائف بن جاتی ہیں، یوروپ وامریکہ کی بدچلنی کا گھن ہمارے مشرقی معاشرے میں بھی لگ چکا ہے جو پہلے آہستہ آہستہ اور اب بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

اسلام نے ہمیں اخلاص...انسانیت...پارسائی...سچائی...دیانت...شرافت...شفقت ..

محبت... مروت... اور ہمدردی کا درس دیا... امانت داری... امن پسندی... باوقار زندگی گزارنے... وقار سے رہنے... حقیقت پسندی... خوش نیتی... دیانت داری... شائستگی... جوانمردی اور وقار سے رہنے کا سبق پڑھایا... لیکن مسلمانوں کی اکثریت نے سب کچھ بھلا دیا... جن کاموں میں عزت تھی انہیں ترک کر دیا..... ذلت کے کاموں کو اپنا لیا۔

قرآن مجید کے اسباق کو ہم نے بھلا دیا، بچہ پیدا نہ ہونے کی صورت میں اب تو اب ٹوڈیت مسلمان بھی کوکھ خریدنے اور کوکھ بیچنے کی باتیں کرتا ہے، وجہ صاف ہے کہ قرآن کی تعلیم سے آگاہ نہیں ہیں، قرآن کہتا ہے:

> ''اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت، پیدا کرتا ہے جو چاہے، جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے، یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے، بے شک وہ علم قدرت والا ہے'' سورہ شوریٰ.... آیت ۴۹۔۵۰

یہ رب کا قانون اور اس کی مرضی ہے، کوکھ خریدنے اور بیچنے سے یہ بچہ اِس کا اور اُس کا نہیں ہو جائے گا، بلکہ جس کا مال اسی کا سودا ہوگا، دوسرے کے مال کو اپنی گود میں رکھنے سے اس کا مال نہیں ہوگا، یہ سب مردود اور دہریہ لوگوں کے گندے طریقے ہیں، مسلمانوں کو قرآن واحادیث کے طریقے پر چلنا اور عمل کرنا چاہئے، معاشرے سے برائیوں کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، صالح معاشرہ سے صالح پود نکلے گی تو وہ صالحیت کے ڈنکے بجائے گی، انشاءاللہ تعالیٰ۔

آدمی سب سے بڑا نقال ہے

عقل شعور و آگہی کی بنیاد پر آدمی سب سے بڑا نقال ثابت ہوا ہے، یہ جس سماج و معاشرے کے چمن میں داخل ہوتا ہے، اس کے رنگ و بو اور طرز و روش سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اگر جانوروں کے غول میں رہتا ہے، درندوں کے قریب ہوتا ہے تو ان کے رنگ و روپ اور خصائص وصفات میں ڈوب جاتا، اسی کے گن گانے لگ جاتا، اسی کی نقل کرنے لگتا ہے۔

بیسویں صدی سے عالمی برادری ایک کنبہ میں تبدیل ہونے لگی ہے، اس تبدیلی کا اثر سب سے زیادہ ہندو پاک اور اسلامی ممالک سمیت ہر جگہ اسلامی کلچر پر پڑا ہے، مسلمانان عالم جب تک اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ مبلغین کا کردار ادا کرتے رہے اپنی چھاپ دوسرے اقوام پر چھوڑتے رہے، اب بیشتر مسلمان اسلامی آداب واخلاق وکردار وتعلیمات وتہذیب وتمدن اور تبلیغی کاموں سے عاری وخالی تماشائی کی حیثیت سے عالمی منڈی میں کھڑا دوسروں کے منہ دیکھ رہا ہے، اب یہ دوسروں کو کچھ دینے کا روادار نہیں، دوسروں سے لینے کا قائل ہوگیا ہے، گداگری کی یہ ایک حسین صورت ہے، یہ مسلمان جہاں جہاں جاتا دوسری قوموں کو اپنے قریب نہیں کرتا بلکہ دوسری قوموں کے قریب ہوکر انہیں کے اخلاق وکردار، تہذیب ولباس، تعلیمات اور معیار زندگی کی نقل کرنے لگتا ہے، جو اسلامی تعلیمات کی منافی باتیں ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے اندر اسلامی تعلیمات کی کمی کا احساس ہر دردمند دل محسوس کرتا ہے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ آدمی سب سے بڑا نقال ہے، اور مشاہدات واخبارات کی خبروں اور رپورٹوں نے ثابت کردیا ہے کہ آدمی سب سے بڑا نقال ہے ان نقالوں میں مسلمان نقالی میں تمام مذاہب کے لوگوں اور قوموں پر سبقت حاصل کئے ہوا ہے، یوروپی ممالک کے

معاشرے میں پہنچنے والے سکھوں نے پگڑی نہیں اتاری، مسلمانوں نے ٹوپی اتاردی، امریکی ممالک میں بسنے والے زرتشتوں نے اپنے آتش کدوں کی آگ نہیں بجھائی، مسلمانوں نے نمازیں چھوڑ دیں، دبئی میں پہنچ کر ہندو قشقہ لگانا نہیں بھولے، مسلمان کلمہ بھول گئے، اکثر مسلمان مردوعورت لباس کے، کھانے پینے کے، رہن سہن کے، طرزِ معاشرت کے معاملے میں یورپ وامریکہ اور یہود ونصاریٰ کے مقلد ہیں، ان معاملات میں مسلمان یہود ونصاریٰ اور دوسرے اقوام کو اپنا مقلد نہیں بنا سکے، بلکہ انہیں کے رنگ ڈھنگ میں ڈھل گئے۔

مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اسلامی تعلیمات سے دُور ہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات وقوانین سے بیزار بھی ہے، ایسے مسلمانوں کو اپنے گھر کی بیش قیمت چیزیں اچھی نہیں لگتی ہیں، بلکہ متروک مال پر فدا ہو کر دنیا والوں کو اور خصوصاً مسلمانوں کو احساس دلاتا ہے کہ ہم کو دیکھو! حالانکہ وہ دیکھنے کے لائق نہیں ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ وہ صورت میں یہود ونصاریٰ کے مثل عمل میں گنواروں سے بدتر، ان کی بیوی، بہو بیٹی بکنی، جانگیہ اور اسکرٹ پہن کر اپنے بدن کی نمائش کرتیں اور غیر محرموں کو دعوت نظارہ دیتی ہیں، ایسی تتلیوں کو اسلام نے دیکھنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے عقل وفکر کے قریب رہنے والے کہتے ہیں کہ انہیں مت دیکھو، وہ دیکھنے کے لائق نہیں ہیں، انہیں قسموں کے لوگوں نے مسلمانوں کے معاشرے کو بگاڑا، اور سماج کو بدنام کیا اور خود بھی بدنام ہو رہے ہیں۔

یوروپ وامریکہ کا معاشرہ تو بہت پہلے سے بے حیائی، قماربازی، زناکاری، شراب وشباب کی بیماری، آزادخیالی کی وبا، عریانی وفحاشی کی دہکتی آگ میں جل رہا تھا، جب اس جلتے ہوئے معاشرے میں مختلف ممالک کے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مسلمان بھی ملازمت وتجارت کی غرض سے پہنچے تو یہ پہلے ہی آدھا تیتر آدھا بٹیر تو تھے ہی، خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، کی مثل یہ بھی یوروپ والوں کے تہذیب ولباس، تعلیمات ومعیار، کھان پان، مکان دوکان کا رنگ بدلنے لگے، پہلے پہل تو یہ رنگ بڑا اچھا حسین وخوبصورت لگتا ہے لیکن جب یہ رنگ ہندوپاک کے رہنے والوں کو تکلیف دینے لگتا، حیا کی چادر کو پھاڑنے لگتا، عصمت کو لوٹنے اور عفت کو تارتار کرنے لگتا ہے تو لوگوں کی سوئی ہوئی حمیت انگڑائی لے کر بیدار ہوتی اور ایسے وقت میں بیدا

رہوتی ہے جب چڑیا کھیت چگ گئی ہوتی ہے اور یہ کھیل آج کا نیا کھیل نہیں ہے بلکہ جدیدیت کے نام پر بہت پہلے سے کھیلا جارہا ہے، اس تعلق سے کتابوں کو پڑھا جائے اور یوروپ وامریکہ کی تاریخ کو چھانا جائے تو ایک باحیا آدمی چیخیں مار کر گر جائے گا یا مر جائے گا، جس تہذیب میں باپ کی قدر نہیں .... ماں کی عزت نہیں ...... بھائی کا وقار نہیں ...... سماج ومعاشرے کا خیال نہیں ...... وہ تہذیب مادی دولت تو دے سکتی ہے لیکن عزت وقار وقدر نہیں دے سکتی ...... جس تہذیب میں عزت وعفت مفت لٹنے اور لٹائے جانے والا مال ہے ...... عصمت وعفت قیمتی دولت نہیں بلکہ شہوانی خواہشوں کے پورا کرنے کا آلہ ہے..... عزت بچانے والے باپ کے ہاتھوں میں بیٹی ہتھکڑی لگوا دیتی ہے۔

برطانوی معاشرہ

حیرت واستعجاب کے عالم میں ڈوبنے کے بعد بھی یہ سراغ نہیں ملتا ہے کہ تہذیب جدید کے پروردہ لوگوں کی عقل خبط ہوگئی ہے یا ان کی غیرت وحمیت کا سوتا ہی خشک ہو گیا ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی عزت وناموس کے ساتھ عظیم سانحہ رونما ہو رہا ہوتا ہے اور وہ دیوث قسم کے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تماشے دیکھتے اور تالیاں بجاتے ہیں، برطانوی معاشرے کے تعلق سے آئے دن اخبارات ورسائل میں جو خبریں شائع ہوتی ہیں ان میں جنسی آوارگی کی خبریں اور رپورٹ زیادہ ہوتی ہیں، برطانوی معاشرے میں جنسی آوارگی کی شدت طوفانی کیفیت اختیار کرتی چلی جارہی ہے ، وہاں کے حالات اتنے دلدوز ہیں کہ پڑھنے کے بعد دل میں برچھی کی طرح سے کچوکے لگتے ہیں، افسوس وتاسف کی بات ہے کہ اب مشرقی معاشرہ بھی برطانیہ کی گندگی کو مستعار لینے کی جدوجہد کرنے لگا ہے، بلکہ بہت سارے گھروں میں وہ گندی تہذیب داخل ہو چکی ہے، حالانکہ مغربی تہذیب کا وہ ناپاک سایہ، متاعِ عفت وعصمت کی نجابت وپاکی کے ساتھ ایمان واخلاق کو بھی برباد کرتا ہے، خیال رہے کہ یوروپ کی جدید تہذیب نہایت ہی خودغرض ہے، مساوات کے نام پر اور محبت کے پسِ پردہ مرد اپنے جذبات کی تسکین اور خواہشاتِ نفس کی پرورش کرتے ہیں، ان کے ضمیر میں انسانیت پرستی سے زیادہ صورت پرستی اور اس سے زیادہ بے دردی کا عنصر غالب آچکا ہے جو انسانیت کے حسین پیکر کو داغدار کر رہا ہے۔

شفق بجھی تو ستاروں نے روشنی پائی
کسی کی موت کسی حیات بنتی ہے

برطانوی معاشرے میں باپ کے ساتھ بیٹی کا کردار

برطانوی معاشرے میں ایسے ایسے حیرت انگیز کردار رونما ہوتے ہیں کہ ان کردار کے متعلق پڑھ کر اور سن کر ہر غیرت مند کی عقل پریشان ہو جاتی ہے کہ کیا ہو رہا ہے، برطانیہ میں منتقل ہونے والے ایک پاکستانی کے ساتھ اس کی بیٹی کا کردار یہ ہے:

”برطانیہ میں پاکستانی لڑکیوں کے ساتھ کوئی انگریز لڑکا ہنس کر بات کرلیتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتی ہے، ایک بالغ لڑکی اپنے انگریز عاشق کے ساتھ بھاگ گئی، باپ نے حیلے بہانے سے اسے اغوا کرلیا اور گھر لے آیا، لڑکی نے پولس کو فون کردیا، باپ پر مقدمہ چلا اور اسے ڈیڑھ سال کی سزا ہوئی (وہاں کا قانون ہے کہ اٹھارہ سال کے بعد لڑکے لڑکیاں آزاد ہیں اسی آزادی نے جنسی آوارگی کا چلن سکھایا) بیٹی فیصلہ سن کر مغموم ہوئی اور پھر اس نے ایک چیخ مار کر اپنے عاشق کی گود میں سر ڈال دیا، یہاں مسلمان اور مشرقی لڑکیاں کالج جاتی ہیں، لیکن والدین انہیں تنہا سیر و تفریح کے لئے شام کے وقت آزاد نہیں چھوڑتے، چنانچہ اب وہ اکثر دن ہی میں اسکول سے حاملہ ہو کر گھر آتی ہیں، بعض دقیانوسی خیالات کے والدین اس سے پریشان ہوتے ہیں، ایک سکھ نے تو غیرت میں اپنی دو بیٹیوں کو بندوق سے ہلاک کردیا مگر غیرت کی یہ لو اب بجھنے ہی والی ہے کیوں کہ اس ملک میں سب سے پہلے جس چیز سے عاری کرتے ہیں وہ غیرت ہی تو ہے۔

چھ سال کی لڑکی اسکول جاتی ہے تو ماسٹر کہتا ہے تمہیں سوئمنگ پول میں تیرنا ہوگا اور اس کے لئے چڈی پہنا ہوگی، ایسی بچی کو بھلا حیا کیسے آئے گی، جبکہ اُسے کم سنی ہی سے ننگے ہونے کی تعلیم دی جاتی ہے، یہی بچی جب اسکول جاتے آتے سر بازار نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو چمٹے ہوئے بے تحاشہ بوسے

لیتے دیکھتی ہے تو اسے عفت کا علم کیا ہوگا، دوکان میں جاتی ہے تو دیکھتی ہے کہ
غیر عورتیں اور مرد بے تکلفی سے ایک دوسرے کو ڈرالنگ، لو یعنی کہہ کر پکارتی
ہے تو اس بچی کو محبت کا جو مفہوم سمجھ میں آئے گا اس کا تصور مشکل ہے (۱)

جو پل رہی ہے آج کے ذہنوں میں
وہ سوچ کل ابھرے گی آفتاب کی مانند

یہ شعر تو ماضی کا ہے جس میں مستقبل کے خوفناک حالات کو آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے وہ مستقبل آگیا بلکہ گزر گیا اور آگے بھی آئے گا اور ہم حال میں ہیں جو ماضی سے بہت زیادہ خوفناک، مہیب، بے شرم و بے حیا بن چکا ہے، شوق کا لپکتا ہوا شعلہ خود شوقین کو جلا رہا، برباد کر رہا ہے مگر شوقین کو، نقال کو، جدیدیت کے مقلد کو احساس نہیں ہو رہا ہے، برطانیہ میں رہنے والے لوگوں کی زندگی رنج و غم کے ایسے قبیح واقعات سے روزانہ متصادم ہوتی رہتی ہے، لیکن وہاں کے بے بصیرت لوگ انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو کر آگے بڑھنے کہ بجائے ایسی وحشیانہ طرز زندگی کو اپنی ترقی کی معراج سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ فواحش و بدکاری ہر بار نئے انداز کے ساتھ معاشرے میں جلوہ گر ہوتی ہیں، یوروپی تہذیب کا مقصد فواحش و بدکاری کو عام کرنا ہے، کردار سازی کے بجائے انسانوں کے اندر سے شرم و حیا کا جوہر نکال کر ان کو بے حیا بنا رہی ہے، عورتوں کو یہ تاثر دلا کر ان کی آبروریزی کی جاتی کہ ایک مرد کے ساتھ بندھی رہنا دقیانوسی خیالات کے لوگوں کا وتیرہ ہے، مختصر بات یہ ہے کہ وہاں کے معاشرتی حالات کا مطالعہ کرتے وقت قاری مبہوت ہو کر اس سوچ میں ڈوب جاتا ہے کہ یہ کسی ملک کے معاشرے کی تاریخ ہے یا گناہوں کا ٹھاٹھے مارتا سمندر ہے جس میں وہ لوگ تیر رہے ہیں؟۔

چھوٹی بچیوں کے ساتھ ظلم وزیادتی

جدیدیت کے پردے پر ماں باپ کہلانے والے انسانوں کی داستان حیوانوں سے بدتر ہے، حیوان بھی اپنے بچے سے پیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر ان کے بچے کو کوئی آدمی اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے تو مادہ مضطرب و بے چین ہو جاتی ہے اور اپنے بچوں کے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے، مگر ایک عورت اپنے عاشق کے پیار میں اس قدر بے حس ہو جاتی ہے کہ اس کا عاشق اس

کی بچی کی جان لے لیتا ہے اور وہ خاموش تماشائی بنی رہتی ہے، ماں کی شفقت محبت عاشق پر قربان ہوتی ہے مگر بیٹی پر نہیں، کیا ایسی عورتیں بھی ماں کہلانے کی حقدار ہو سکتی ہے؟ برطانیہ کے تعلق سے مندرجہ ذیل رپوٹ پڑھئے:۔

''یہاں ایک عورت کے نئے عاشق نے اس کی تین سالہ بچی کو اس لغزش پر کہ اس نے بغیر اجازت فرج سے چاکلیٹ کھالیا کمرے میں بند کر دیا، جہاں وہ بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئی، ماں کو بھی خیال نہ آیا کہ اپنی بچی کو بچائے۔

انہیں دنوں ایک مرد کو تین ماہ کی بچی کے قتل کرنے کے الزام میں سزا ہوئی، اس بچی کو یہ باپ میز کے دراز میں اس طرح سے رکھتا تھا کہ رونے لگے تو دراز بند اور جب چپ ہو تو دراز کھول دے، ایک بار ڈاکٹر نے اس کے چہرے پر مارنے کے آثار پائے، دوسری بار اس کی پسلی کی تین ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں، اس کی ماں کو بھی سزا ہوئی...... ایک اور باپ اپنی کمسن بچی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے اور پھر اس کا گلا دبا کر اسے دریا برد کر دیتا ہے۔

چھوٹی بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات جو عوام کی نگاہوں میں آئے ہیں وہ اتنے زیادہ ہیں کہ سوسائٹی پریشان ہے اور اب تو قانون نے تسلیم کر لیا ہے کہ ماں باپ بچوں کی پرورش کے اہل نہیں ہیں چنانچہ سوشل ورکرہی ان کی نگرانی کرتی ہیں (۲)

یہ آگ کیسی لگی ندیوں کے سینوں میں
کہ پانیوں پہ بھی جلتی ہیں کشتیاں جاناں
غم و ملال کی کیسی ہوا چلی گھر گھر
سسکتی رہتی ہیں نا چار لڑکیاں جاناں

یہ ہے جدیدیت کے جدید پود کا کردار، جو زمانہ جاہلیت کو شرمندہ کرتا نظر آ رہا ہے، یہ وہ قوم اور نسل ہے جو پیار کرنے میں آگے آگے، عشق کا کھیل کھیلنے میں آگے آگے، یہ ان کا پیار اور عشق

بھی ظلم سے کم نہیں ہے، جو قوم وملت کی لڑکیوں اور عورتوں کو آزادی کے نام پر ننگا کرتی، عورتوں کو برابری کا حق دلانے کا دعویٰ کرتی ہے، وہ لڑکیوں پر اس طرح سے ظلم کرتی کہ ان سے بغیر شادی کئے ان کو بچہ پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد ان بچوں پر بھی طرح طرح کے ظلم کرتی ہے اور ہم ہندوستانی "دور کا ڈھول سہانا" کی مانند ان کو اچھا سمجھتے ہیں، ذرا اس دریا میں داخل ہو کر دیکھئے کہ اس میں کتنی گندگی، کس قدر بدبو اور تعفن ہے، پھر اس گندگی، بدبو اور تعفن پر للچانا کیسا؟

مخلوط تعلیم کا نتیجہ

مخلوط تعلیم نہ مذہب کی روشنی میں جائز... نہ سماجی لحاظ سے روا..... نہ عقل وخرد کی بنیا پر درست ہے.... لیکن عالمی برادری نے مذہب کو بالائے طاق رکھا، سماجی ریت رواج کو ٹھوکر لگایا، عقل وخرد کو ہوا میں اڑا کر مخلوط تعلیم وتعلم اور ملازمت وتجارت کو ترقی کا زینہ بنایا، لیکن سر مونڈاتے ہی اولے پڑنے لگے، کی مثل بے حیائی بھی محو پرواز ہوئی، عصمت وعفت کی دھجیاں اڑنے لگیں، آزاد خیالی کا آسیب سب کو پکڑنے لگا، عزت وآبرو بے قیمت ہوگئیں، برطانیہ کی مشہور آکسفورڈ یونیورسٹی کی حالت یہ ہوگئی:

> برطانیہ کی ممتاز تعلیم گاہ آکسفورڈ یونیورسٹی کا پوری دنیا میں چرچا ہے، یہاں دنیا بھر کے نوجوان تعلیم اور ڈگری حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں اور فراغت کے بعد اپنے ممالک میں اعلیٰ مناصب پر براجمان ہونے کی کوشش کرتے ہیں، برطانیہ کی اس ممتاز یونیورسٹی کی تعلیمی اور اخلاقی حالت کیا ہے
>
> اسے ملاحظہ فرمائیے۔
>
> ۷۶ رفیصد طلبہ شادی کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہیں، ۳۴ رفیصد طالبات نے تسلیم کیا ہے کہ وہ یہاں آنے کے بعد کنواری نہیں رہیں اور اب بھی ان کے تعلقات ہیں، ۲۵ رفیصد طالبات مانع حمل گولیاں استعمال کرتی ہیں، ۲۱ رفیصد طلبہ فحش جرائد وعریاں رسائل کا مطالعہ کرتے ہیں ۴۳ رفیصد خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، ۴۸ رفیصد ہم جنسی کے قائل ہیں، ۲۱ رفیصد دس سے زائد مرتبہ منشیات کا استعمال کر چکے ہیں، ۵۵ رفیصد

شراب خانوں میں جاتے ہیں''۔(۳)

کونسی بُرائیاں ہیں جو یہاں نہیں ہیں اور پروان نہیں چڑھتی ہیں، مذکورہ رپورٹ پڑھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تعلیم گاہی ادارہ نہیں بلکہ برائیوں کے پروان چڑھانے کی جگہ ہے، یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تعلیم گاہیں اسی لئے ہیں کہ وہاں بغیر شادی کئے ہوئے جنسی تعلقات کئے جائیں، لڑکیاں اپنے کنوارا پن کو گنوادیں، شادی سے پہلے مانع حمل گولیوں کا استعمال کریں، فحش جرائد ورسائل کو یہاں فروغ ملے، خدا کے وجود سے انکار کیا جائے، ہم جنسی کا بازار گرم ہو، منشیات کا استعمال ہو اور شراب خانے ان سے آباد ہوں، تہذیب نو کے وجود کی گہرائیوں سے اُبلتی ہوئی وارفتگی عشق کا سفینۂ شوق اب شاہی محلات کے اندر داخل ہو کر ارباب اقتدار کا منھ چڑا رہا ہے، چنانچہ ''الفاروق'' مزید تحریر کرتا ہے:

> ''اس شرمناک خبر نے برطانوی مدارس و یونیورسٹیوں اور برطانوی تعلیم وتہذیب کی جو غیر اخلاقی تصویر پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منشیات کا استعمال، جنسی تعلقات، ہم جنس پرستی، دہریت، شراب کی لت، آوارہ گردی اور فحش رسائل کے مطالعہ میں صرف نچلے درجے کے لوگ ہی نہیں بلکہ اونچے گھرانوں کے چشم و چراغ بھی ان غیر شریفانہ حرکتوں میں ملوث ہو چکے ہیں، چند ماہ قبل برطانوی شاہی خاندان کی ایک لڑکی کے ناجائز حمل نے برطانوی شرافت وتہذیب کو عریاں کرتے ہوئے پھر ایک بار بتلا دیا کہ یہ گندی حرکات نائٹ کلبوں اور ہوٹلوں تک ہی محدود نہیں بلکہ شاہی خاندان اور ممتاز تعلیم گاہ بھی اس قسم کے جرائم کا شکار ہیں(۴)

کہا جاتا ہے کہ دنیا کی نو آبادیاتی دور میں لوگ مجسم برہنگی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے، قلت اسباب کی بنا پر ایسا کرنا ان کی لاشعوری اور اس سے بڑھ کر مجبوری تھی، وہ برہنہ ضرور تھے لیکن دور حاضر کے لوگوں کے جیسے شوخِ چشم نہ تھے، بُرائیاں اس قدر عام نہ تھیں، پیکرِ انسانیت میں حیا کی لو زندہ تھی، گناہ ہو جاتا تو اس کو چھپاتے اور چھپ کر گناہ کرتے تھے مگر آج مغربی دنیا کا انسان ایک طرف علم و دانش کا عظیم پیکر بن کر چاند کی تسخیر کے بعد سورج و مریخ پر کمند ڈالنے کی

جدوجہد کر رہا ہے، دوسری طرف بے حیائی اور بے شرمی کی ایسی ایسی حرکتیں ان سے صادر ہوتی ہیں جن سے دورِ جاہلیت کی تہذیب بھی شرمندہ ہے، مغربی ملکوں میں جنسی آوارگی کی جو حیا سوز آندھی چلی اور چل رہی ہے وہ پوری دنیا میں پھیل گئی اور لوگ نقل در نقل کے سلسلہ میں لگے ہوئے ہیں، مغربی لوگوں کی نئی نسل حیا کو بھول گئی شاید ان کو یہ نہیں معلوم کہ حیا ایک انمول گوہر ہے، اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ یہ نہیں کہتے جو وہ کہہ رہے ہیں، کھلے عام کہہ رہے ہیں، آخر اس کا نتیجہ کیا نکلے گا اور نئی نسل اس سے کیا سیکھے گی؟

برطانیہ کی کنواری ماؤں کی بیبا کیاں

''۹/مارچ ۱۹۹۰ء کی رات T.V. کے پروگرام میں ''کنواری عورت'' کے بارے میں بحث ومباحثہ تھا، پروگرام کے ایڈیٹر نے جتنے لوگوں سے انٹرویو کئے (ان میں عورت اور مرد دونوں تھے) ہر ایک نے بتایا کہ وہ شادی سے پہلے اپنے کنوارے پن سے محروم ہو چکے تھے اور اس بات کو نہایت فخریہ انداز میں پیش کر رہے تھے، ان لوگوں کا کہنا تھا کہ شادی سے پہلے کسی لڑکی یا لڑکے کے لئے کنوارا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، پورے ایک گھنٹہ کے پروگرام میں صرف ایک ہی ایسی لڑکی دکھائی دی جو ۳۱/سال کی ہونے کے باوجود کنواری تھی اور ہر سال اپنے ڈاکٹر سے کنوارے پن کا سرٹیفکیٹ لیتی رہی ہے (۵)

ڈھیٹھ اور بے شرم بھی دنیا میں ہوتے ہیں مگر
سب پر سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

مغرب کا خباثت بھرا یہ ذہن ٹی وی پر اپنے گندے خیالات کی اِشاعت کر کے گل چین کو دعوت دے رہا ہے کہ متاعِ عفت کا حسین پیکر ہر طرح کے پہرے سے آزاد ہے، آؤ اس کے حسن وشباب کی پاکیزگی کے کھلے گلابوں کو ملیا میٹ کرو، خدارا ذرا سوچئے کہ ٹی وی کے پردے پر آ کر وہ لڑکیاں جب ایسے خیالات کا اظہار کر رہی تھیں تو اس پروگرام کو ان کے باپ، بھائی، ماں اور بہن سب نے دیکھا اور سنا ہوگا لیکن کسی کی حمیت نہیں جاگی، کسی کی حیا نے احتجاج نہیں کیا، کسی نے شرم سے آنکھیں نہیں موندلیں، کانوں کو بند نہیں کیا، طرفہ یہ کہ ایسی بے حیائی کو ترقی کا زینہ سمجھا جاتا ہے، رومانس کی ایسی تشہیر کی دَین ہے کہ برطانیہ میں ناجائز بچوں کا بہت بڑا لشکر موجود ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کی کتنی دوشیزائیں امریکی فوجیوں کی ہوس ناکیوں کا نشانہ بنیں اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، البتہ ناجائز بچوں کے تعلق سے جب سرکاری اعداد وشمار شائع ہوئے تو دنیا انگشت بدنداں ہوگئی:

''دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کے سپاہی اپنے دوست ملک برطانیہ کی مدد کے لئے تشریف لائے تھے وہ چند سال برطانیہ میں ٹھہرے اور جب گئے تو سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ستر ہزار (۷۰۰۰۰) حرامی بچے چھوڑ کر گئے، اس کے علاوہ جنسی لاعلاج بیماریاں انہوں نے ایک دوسرے کو بطور تحفہ دی ہوں گی، ان کا اندازہ کون لگا سکتا ہے(٦)

ایک اور رپورٹ

''برطانیہ میں اب ہر چار میں سے ایک بچہ غیر بیاہتا والدین کے ہاں پیدا ہوتا ہے، مرکزی دفتر شماریات نے برطانوی معاشرے کے بارے میں سالانہ سروے میں بتایا کہ غیر بیاہتا جوڑوں کے ہاں پیدائش کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اگر یہ اضافہ اسی شرح غیر شادی شدہ ہی ہوں گے(۷)

سوال ہے ردو قبول کا!

ہر چار میں سے ایک بچہ غیر شادی شدہ لڑکیاں جن رہی ہیں تو سوال اٹھتا ہے ان بچوں کے ردو قبول کا کہ برطانوی معاشرہ ان بچوں کو قبول کر رہا ہے یا نہیں ؟ ایسی لڑکیوں کے متعلق برطانوی معاشرہ اور لڑکیوں کے والدین کے تاثرات کیا ہوتے ہیں؟ اور ایسے بچوں کی پیدائش پر لڑکیوں کے والدین خوش ہوتے ہیں یا ناراض؟ ذہن نشین کر لیجئے کہ ایسے بچوں کو برطانوی معاشرہ بخوشی قبول کر رہا ہے، ایسی ناجائز اولاد پیدا کرنے والی لڑکیوں سے ان کے والدین ناراض بھی نہیں ہوتے ،لڑکیاں بچے جن رہی ہیں، والدین کو بچوں سے مطلب ہے بچوں کے باپ سے نہیں، ایک عورت نے اسی قسم کی پانچویں اولاد کو جنم دیا تو اس عورت کی ماں یعنی بچوں کی نانی نے مٹھائی تقسیم کی اور خوشیاں منائی کہ میری بیٹی کے یہاں پانچویں اولاد پیدا ہوئی ہے،اس عورت کا اس طرح سے خوش ہونا اور خوشی ظاہر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ برطانوی معاشرے میں ناجائز بچوں کو بخوشی

قبول کیا جارہا ہے، لیکن وہ بچے اور بچیاں فادر نیم کی جگہ کیا لکھیں گے؟ اس کی فکر کسی کو نہیں ہے۔

مغربی عوام کے اندر جنسی اور جس قدر برائیاں بھری ہوئی ہیں، وہ ساری برائیاں طشت ازبام ہیں، پوری دنیا میں ان کا چرچا ہے، ایسے ماحول میں جب مشرقی لوگ داخل ہوتے ہیں تو ان کے بچے اسی ماحول میں پروان چڑھتے اور وہی سب کچھ حاصل کرتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آوارگی ایسی نسلوں کا مقدر بن جاتی ہے، اور وہ اپنی تہذیب اپنی زبان اپنی روایات اور اپنے مذہب سے بھی لاتعلق ہوجاتی ہے، یوروپی معاشرے کے پروردہ لوگوں کی سرشت زیادہ تر نمائشی نہج کو پسند کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جدید ذہنیت صرف صورت کی دلربائی کو دیکھتی ہے، سیرت اور کردار کو بالکل نظر انداز کردیتی ہے، انہیں اپنی لغزشوں کے احتساب کا موقع ہی نہیں ملتا کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

رہِ حیات کی تاریکیوں میں تم گم ہوکر
کسی کی زندہ دلی شرمسار لگتی ہے

برطانیہ میں ناجائز جنسی اختلاط مائل پرواز

برطانوی معاشرے کو جنسی تلذذ سے پاک کرنا آج حکومت برطانیہ کے سامنے ایک لا ینحل مسئلہ ثابت ہورہا ہے، کیوں کہ "خود کردہ را علاج نیست" کے مصداق آزادگی آوارگی اور جنسی اختلاط کو حکومت نے خود پروان چڑھایا ہے، اسکولوں اور کالجوں میں جنسی اختلاط اور مانع حمل کے طریقوں کا نصاب تعلیم رائج کر کے سادہ لوح ذہنوں کو عیش کوشی کے لئے ابھارا ہے، اس پر ستم یہ کہ خود حکومت نے ہی مانع حمل کی ادویات وآلات عورتوں کو مفت فراہم کئے، ترقی پسندی کے نام پر حکومت برطانیہ نے زنا جیسی برائیوں کے تعلق سے اس قدر سہولت فراہم کر کے پورے معاشرے کو طوفان بدتمیزی کے غار میں ڈھکیل دیا ہے۔

صیاد نے کیا آگ لگائی ہے چمن میں
شعلوں کی مہک آتی ہے پھولوں کے جگر سے

آج برطانوی معاشرے کے بکھرے ہوئے تار و پود کو دیکھ کر ارباب اقتدار اور دانشور حضرات مضطرب و پریشان نظر آرہے ہیں، مگر جنسی تلذذ کی تلاطم خیز لہر پر قدغن لگانا حکومت کے لئے

جو ئے شیر لانا ثابت ہو رہا ہے، کنواری لڑکیوں میں زنا کی شرح نوے فی صد تک پہنچ چکی ہے، بے حیائی کی تلاطم خیزی کا یہی عالم رہا تو چند برسوں بعد برطانیہ کے حالات کیا ہوں گے؟ باعصمت کنواری لڑکیوں کا ملنا محال نہیں ہو جائے گا؟ باکرہ وعفیفہ کی حقیقت قصۂ پارینہ بن کر نہیں رہ جائے گی؟ ہوس کاری کی دلدل میں ڈوبے ہوئے معاشرے کی دلخراش رپورٹ ملاحظہ کیجئے:

''برطانیہ میں کم سن بچوں میں جنسی تعلقات کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، ۱۶ر سال کی عمر والی ۴۷ر فیصد لڑکیاں اور ۱۸ر سال کی عمر والی ۹۰ر فیصد لڑکیاں جنسی تعلقات کے تجربات سے گزر چکی ہوتی ہیں، مانع حمل تدابیر بڑے پیمانے پر استعمال ہو رہی ہیں، ۲۰ر سال سے کم عمر والی لڑکیوں کے حمل ساقط کرانے کے واقعات کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس کے باوجود کم سن بچیوں کے یہاں ناجائز بچوں کی ولادت کی شرح بڑھ کر ۸۵ر فیصد ہوگئی ہے، جبکہ شادی کا تصور کم ہوتا جا رہا ہے اور ازدواجی زندگی کی مقبولیت بہت تیزی سے گھٹ رہی ہے، اس صورتِ حال سے خود یوروپ کا ایک بڑا طبقہ بیزار اور پریشان ہے، مگر مشرقی دنیا میں رہنے والے مغرب پرست آنکھ بند کر کے اسی روش پر دوڑتے چلے جا رہے ہیں اور آنکھیں کھولنے کے لئے کہنے والوں کو نشانۂ لعن طعن اور ہدف ملامت بنا رہے ہیں، جس کی ایک وجہ عریانیت، فحاشی اور عیاشی کی تمام منزلیں طے کر جانا چاہتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس طرح کے نعرے لگا کر عورتوں کا بُری طرح استحصال کر رہے ہیں اور اس راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں اور مشرقی تہذیب کی روایتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھوکریں مار مار کر چکنا چور کر دینا چاہتے ہیں انہیں مغربی تہذیب کی اچھائیوں سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی البتہ وحشیانہ انداز کی بے مہار آزادی کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں۔

برطانیہ میں اسقاط ایکٹ ۱۹۸۸ء کے نفاذ کے بعد پہلے سال میں ۲۰ر سال سے کم عمر والی چار ہزار لڑکیوں نے اپنے حمل ساقط کرائے، جبکہ یہ

تعداد دو سال میں بڑھ کر ۱۵ر ہزار ہوگئی ، اس رجحان پر قابو پانے کے لئے دایاؤں اور گائنا کولوجسٹوں کے شاہی کالج نے ۱۹۷۳ء میں اسکولوں میں مزید جنسی تعلیم دینے اور عورتوں کو بڑے پیمانہ پر مانع حمل اشیاء کی مفت فراہمی پر زور دیا، ان کا دعویٰ تھا کہ جنسی عمل کے تعلق سے ہر قسم کی کھلی آزادی دے دینے اور ہر قسم کی اخلاقی وقانونی پابندی ختم کردینے سے لوگوں میں اس طرف میلان میں کمی واقع ہو جائے گی، لیکن ان کا یہ دعویٰ اور خیال خام انتہائی غلط اور غیر حقیقت پسندانہ تصور ثابت ہوا، اور ان کے اس دعوے پر عمل شروع کرنے کے چار سال بعد ۱۹۷۷ء میں ۲۰ر سال سے کم عمر والی لڑکیوں کے حمل گروانے کے اٹھائیس ہزار واقعات ہوئے اور اس کے بعد بھی اس شرح میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق ایک سال میں اس عمر والی لڑکیوں کے حمل ساقط کرانے کے واقعات کی تعداد چالیس ہزار پائی گئی ، بہتری آنے کے بجائے مزید بگاڑ پیدا ہوا ہے، اور کم سن بچوں کو جنسی تعلیم دینے ، جنسی اختلاط اور جنسی آزادی کے نتائج انتہائی خراب برآمد ہوئے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۶۵ء میں ۱۶ر سال کی عمر والی صرف دس فیصد لڑکیاں ہی جنسی تعلق کے تجربہ سے گزر سکی تھیں ۱۹۸۸ء میں ان کی شرح ۴۷ر فیصد ہوگئی، جبکہ اس دوران اٹھارہ سال عمر والی ایسی لڑکیوں کی شرح ۲۵ر فیصد سے بڑھ کر نوے فیصد تک پہنچ گئی ، ظاہر ہے اس شرح سے استقرار حمل کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور چونکہ یہ حمل کنواری لڑکیوں کو ناجائز تعلق کے نتیجہ میں ٹھہرتے ہیں اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں اس لئے ساقط کرادیئے جاتے ہیں، اس کے باوجود ۱۹۶۶ء میں ناجائز بچوں کی پیدائش کی جو شرح ۲۵ر فیصد تھی اب ۸۵ر فیصد تک پہنچ گئی ہے (۸)

بس ایک وار اور کہ قصہ تمام ہو

احسان یوں بھی آپ کے ہم پر زیادہ ہیں

کہاں کی عزت وناموس کیسی شرم وحیا

مندرجہ بالا رپورٹ کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ عفت وعصمت کی پاکیزگی کو چھلنی کرنے والے مردوں کے شانہ بشانہ حکومت بھی شریک کار ہے، نوجوان لڑکیوں کو بدچلن اور فاحشہ بنانے میں حکومت کا بھر پور عمل دخل رہا ہے، کالج و یونیورسٹیاں تو علم وعمل کے مراکز ہیں، جہاں اساتذہ طلبہ وطالبات پر مشتمل مالی کے نگہداشت ہوا کرتے ہیں جو اپنے علمی ادراک سے بچوں کی زندگی کو سیراب کر کے لباس علم سے مزین کرتے، اپنی ذہنی فطانت سے ان کے خیالات میں جذبات حسنہ کے گل بوٹے بکھیرتے اور نیک و بد کی تفریق سے آشنا کرتے ہیں۔

مگر افسوس صد افسوس کہ دور حاضر کے علمی مراکز کے اندر طلبہ وطالبات کے دل و دماغ میں تعلیمی استعداد کی خوبی پیدا کرنے کے بجائے شہوت پرستی، عفت دریدگی اور جنسی ملاپ کے اسباق پڑھائے جاتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ جنسیات پڑھا کر ان طلبہ اور طالبات سے حکومت کونسا کام لینا چاہتی ہے؟ جنسیات کی تعلیم سے ملازمت ملے گی یا کہ ملک وملت کے مسائل حل ہوں گے؟ معاشرہ صالح بنے گا یا کہ عیش وعیاشی کی وبا پھوٹے گی؟ عیش وعیاشی اور عفت وعصمت دریدگی کی ایسی وبا پھوٹی کہ حکومت نے اس عیش وعیاشی پر پردہ ڈالنے کے لئے مانع حمل اور اسقاط حمل کی ادویات وآلات کی مفت فراہمی کرنے لگی، حکومت کے اس غیر دانشمندانہ فعل پر عوام نے بھی اپنی رضامندی کی مہر ثبت کر کے نئی نسل کے صحرائے زیست کو طوفانِ حوادث کے حوالے کر دیا ہے، نتیجہ کے طور پر بادسنجی کے رجحانات نے لڑکیوں میں لاأبالی پن کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ بلوغت سے قبل ہی ان کی عصمت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے، لڑکوں میں آوارہ مزاجی اور بے حیائی کا عنصر اس قدر راسخ آ گیا ہے کہ نفسانی خواہشات کی چمکتی بھوک مٹانے کے لئے دن کے اجالے میں لڑکیوں کا اغوا کرتے ہیں اس راہ میں جان جانے کی بھی پرواہ نہیں کرتے، شہوت پرستی کی درندگی کا خنجر عفت وعصمت کی پاکیزگی کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے، حرص وہوس کا خونخوار لشکر عزت وآبرو کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے رقص کر رہا ہے، اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود عفت وعصمت کی محافظت کی خاطر کسی کامیاب تحریک کا آغاز کیوں نہیں کیا جاتا؟

اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے اور خاص کر مسلمانوں کو اسلامی روایات سے قریب کرنے کی غرض سے سرزمین برطانیہ پر مختلف تحریکیں وجود میں آئیں مگر کامیابی کے وہ زینے طے نہیں ہوئے جو ہونا چاہئے، بلکہ آزاد جنسی اختلاط کی بڑھتی ہوئی شرح کو دیکھ کر تحریکوں سے وابستہ حضرات کی فکر و تشویش بڑھتی جارہی ہے، جس کی ایک بڑی وجہ یہ کہ نئی نسل کے دل و دماغ میں عشق و محبت ،حسن و شباب اور چاند و چکور کی صفت کا رنگ چڑھا کر اسے ہوس کے دریا میں گرا کر اس کی زندگی کے محور پر ایسی گرہ لگادی ہے کہ ان میں بھلائی و برائی کی تمیز ہی نہیں رہ گئی ہے، مختصر یہ کہ برطانوی معاشرہ نت نئے فتنہ انگیزی کی آگ میں جل رہا ہے اور نہ جانے کب تک جلتا رہے گا۔

جلتا ہوا تہذیب کا گھر دیکھ رہا ہوں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

فروری ۱۹۷۸ء سے مولانا محمد شاہد رضا نعیمی صاحب مرادآبادی برطانیہ میں مقیم ہیں اور اسلامک سینٹر نامی ادارہ کے نگراں اور مذہبی امور کے انچارج ہیں، ان سے مولانا ظہیر الدین القادری مدیر ماہنامہ ''استقامت'' کانپور نے ۶ رستمبر ۱۹۸۹ء کو انٹرویو کیا تھا جس میں ایک سوال برطانوی معاشرے کے متعلق تھا، جواب کافی طویل ہے، اس لئے مختصر اقتباس پیش کیا جارہا ہے، پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ برطانوی معاشرے کے لوگ ہوش و خرد سے کس قدر بیگانہ ہو چکے ہیں:

سوال۔ آپ کی نظر میں برطانیہ کے مسلمان اس وقت کن اہم مسائل سے دوچار ہیں؟

''جواب۔ محترم! برطانیہ کے مسلمانوں کا مسائل کے معاملہ میں جو حال ہے وہ بقول جگر۔

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر

انتہائی سنگین اور پیچیدہ ہے، اس ملک کے مسلمان دورِ حاضر کی مغربی اور مادی دنیا کے انتہائی بدترین اخلاقی انحطاط اور تہذیبی فساد کے نرغے میں ہیں، چاروں طرف بے حیائی اور سرکشی کا دَور دَورہ ہے، مادی مفادات کا حصول اس معاشرہ کا واحد مقصد حیات ہے، عیش و عشرت کے نگار خانوں میں زندگی کا رقصِ آوارہ اس خطہ کی سب سے پسندیدہ روش ہے، عریانی، فحاشی لٹریچر، ٹی وی پر اخلاق سوز فلموں کی نمائش، اسکولوں اور کالجوں میں آزادانہ جنسی اختلاط، والدین کی بے توجہی، اولاد کی آوارگی اور ان تمام تخریبی امور کی

حکومت کی جانب سے قانونی سرپرستی نے اس ملک کو دیدۂ عبرت نگاہ رکھنے والوں کے لئے زندگی کا دوذخ بنادیا ہے، ظاہر ہے کہ اس ماحول کے بارے میں اگر میں یہ کہوں کہ یہاں کی آب وہوا کا بھی اسلامی نظریات سے تصادم ہے تو غلط نہ ہوگا۔

ایمان وآگہی کے اس دشمن ماحول میں مسلمانوں کے لئے اپنی نئی نسل کی تربیت وتعلیم کا مسئلہ کس قدر دشوار ہوسکتا ہے، آپ اسے بخوبی سمجھ سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ میری نظر میں برطانوی مسلمانوں کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ نئی نسل کی اخلاقی، دینی اور روحانی تربیت کا ہے اس سلسلہ میں یہاں کے مسلم ارباب حل وعقد مختلف کوشش کررہے ہیں، الگ اسکولوں کا قیام عمل میں آرہا ہے، دینی مدارس بھی قائم ہورہے ہین، تربیتی کیمپ بھی لگائے جارہے ہیں، انگریزی میں اسلامی لٹریچر بھی شائع ہورہاہے، مذہبی جلوس اور جلسوں کا انعقاد بھی جاری ہے، اس کے باوجود میرے ناقص خیال میں حالات بے حد تشویش ناک ہیں، طلاق کے واقعات نوجوان مسلم جوڑوں میں بڑھ رہے ہیں، والدین کی مرضی کے خلاف لڑکے غیر مسلم لڑکیوں کے ساتھ رہتے ہیں اور اس رجحان میں اضافہ ہورہاہے، مسلمان لڑکیاں گھروں کو چھوڑ کر غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار ہورہی ہیں، اس افسوس ناک حادثات میں اضافہ ہورہاہے، حلال وحرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لباس ومعاشرت میں مغربی طرز حیات کی جزوی تقلید میں اضافہ ہورہاہے، احکام الٰہیہ سے سرکشی کے عمل کو ابلیس اور مغرب نے اتنا خوبصورت بنادیا ہے کہ اس کی کشش افراد کو متوجہ کرکے ان کو پامال کررہی ہے (۹)

کہاں کی عزت وناموس کیسی شرم وحیا
جب اس کے جسم کی قسمت میں بے لباسی تھی

برطانوی معاشرے کا حال پڑھنے کے بعد غیرت مندوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور تاسف ہوتا ہے کہ ان جوان لڑکے اور لڑکیوں کے والدین کی حمیت وغیرتیں بیدار کیوں نہیں ہوتی ہیں؟ کیا ان کی نظر میں عفت وعصمت اور پاکدامنی کا کوئی تصور نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو وہ بیدار کیوں نہیں ہوتے ہیں؟

اقوام عالم کے لیے منفعت بخش قانون

عفت وعصمت کے گوہر کو بچانے اور پاک وصاف رکھنے کے لیے قرآن نے بڑی ہدایتیں کی ہیں، عفت وعصمت کو تاراج کرنے، لوٹنے اور لٹوانے والوں کے لیے قرآن نے جو سزا تجویز کی ہے، وہ صرف مسلمانوں کے لیے ہی سودمند نہیں بلکہ اقوام عالم کے لئے منفعت بخش ہے، تہذیب نو کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے قلوب واذہان کے نہاں خانوں میں جو شدید جنسی بداخلاقی کی وبا نے گھر کر رکھا ہے، اس کی دفع کا معقول طریقہ یہ ہے کہ تمام ممالک کے حکمراں قرآن کے احکام کو عملی طور پر نافذ کر دیں تو پھر وہ دیکھیں گے کہ بے حیائیوں اور بدکاریوں سے معاشرہ کس طرح پاک ہوتا اور عفت شعاری کا ایک نیا انقلاب کس طرح سے رونما ہوتا ہے۔

عزت وناموس کی حفاظت اسلام کا اولین مقصد ہے، جنسی جرائم کو روکنے کے لیے جتنے قوانین بنائے گئے ہیں، ان سب پر اسلامی قانون غالب ہے، وجہ یہ ہے کہ خودساختہ قوانین میں نہ وہ تاثیر ہے نہ ہیبت وجلال! جس سے ڈر کر انسان طہارت نفس کا عادی بنے ,لیکن قرآن نے جو سزا مقرر کی ہے، اس میں ہیبت وجلال کا تلاطم موج زن نظر آتا ہے اور لگتا ہے کہ تخلیقِ کائنات کا مدبر اپنے غضب کی تلوار کو بالکل بے نیام کئے ہوا ہے:

> ’ترجمہ! جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں، اگر تم ایمان لاتے ہو، اللہ اور پچھلے دن پر اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو‘‘(۱۰)

قرآن مجید نے عصمت لوٹنے والے اور لٹوانے والی کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا، ہوسکتا ہے کہ تہذیب نو کے دلدادہ کو یہ بات ذہن میں نہ اترتی ہو کہ ایک گناہ پر ایسی سخت سزا، ایسے لوگ سوچیں کہ ان کے گھر میں چور اگر چوری کرتا اور پکڑا جاتا ہے تو اس جرم کے پاداش میں وہ چور کو مار مار کر مار ا لتے ہیں، تب وہ نہیں سوچتے کہ ایک جرم پر وہ چور کی جان لے لی، اسی کی روشنی میں سوچا جائے کہ عصمت لوٹنے والے کی اسلام نے جو سزا مقرر کی ہے وہ اس مقصد سے کہ آئندہ پھر کوئی ایسی حرکت نہیں کرے اور معاشرہ پاک وصاف رہے۔

اسلامی قوانین پر اسلام دشمن عناصر کھل کر اور مسلمانوں کا اپٹوڈیٹ طبقہ منھ داب کر تنقید

کرتا ہے کہ زنا کاروں کو سنگسار کرنا یا سو کوڑے مارنا زیادتی اور یہ سخت قانون ہے، زمانے کے لحاظ سے اس میں لچک پیدا ہونی چاہئے، ایسے لوگ دنیا کے دیگر ممالک کے قوانین سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں ''کوریا'' میں نہ مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی قوانین کا نفاذ! مگر معلوم کیجئے کہ زنا کاروں کے لئے وہاں کی حکومت نے پھانسی کی سزا مقرر کر رکھی ہے، اس سخت قانون پر کوئی اعتراض یا تنقید نہیں کرتا نہ کسی کی زبان کھلتی ہے، ثبوت کے طور پر ذیل کی رپورٹ پڑھئے، جس کی جلی سرخی ہے:

کوریا میں ۹ افراد کو پھانسی

''سیول ۳۔ دسمبر: قتل، عصمت دری اور دیگر الزمات کی بنیاد پر ۹/افراد کو آج پھانسی دے دی گئی، وزارت اصناف نے بتایا کہ اس سال میں سزائے موت کا یہ پہلا فیصلہ سنایا گیا ہے، سات افراد کو ''سیول'' میں پھانسی دی گئی اور دو کو جنوب مشرقی شہر ''تائیگو'' میں تختۂ دار پر چڑھایا گیا۔

جن لوگوں کو پھانسی دی گئی ان میں ۱۵/سالہ ''چنگ یوسنگ'' جس پر قتل اور اقدام قتل کا الزام تھا اور ۴۳/سالہ ''کمنیگ'' شامل ہے جس پر آبروریزی اور قتل کا الزام تھا، جنوبی ''کوریا'' میں جرائم کی شرح زیادہ نہیں ہے، لیکن حکومت قتل اور آبروریزی جیسے سماج دشمن جرائم کے لئے سزائے موت دیتی ہے'' (۱۱)

اسلام کو تنقید کا نشانہ بنانے والوں کو اپنے ذہن کے دریچے کو صاف اور آنکھوں کو مل کر دیکھنا اور سبق حاصل کرنا چاہئے کہ ''کوریا'' میں زنا کی سزا پھانسی ہے، اس بنیاد پر کوریا میں زنا کے واردات کم ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں خوف ہے کہ زنا میں ملوث ہونے اور پکڑانے پر پھانسی ہو جائے گی، لہذا زنا سے باز رہو، یہ انسان کا بنایا ہوا ملکی قانون ہے جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو اسلامی قوانین پر اعتراض کیوں؟

آج جن ممالک میں قرآن کے احکام پر عمل ہو رہا ہے وہاں کے معاشرے میں زنا کے واقعات نہیں کے برابر ہیں، برعکس اس کے کہ جو ممالک اپنے کو ترقی یافتہ کہتے اور مسلمانوں کو قدامت پسند، بنیاد پرست کہہ کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں، ان ملکوں کی حالت کتنی دگرگوں ہیں، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے، جو امریکہ کا سفر کرنے کے بعد تحریر کیا گیا ہے:

امریکی معاشرہ

''اسکولوں اور کالجوں میں ہم ہندوستان ہی میں بچوں کا کیا حال دیکھتے ہیں، یہ تو امریکہ ہے جہاں ہر سال دو لاکھ سے زیادہ نابالغ بچیاں حاملہ ہوجاتی ہیں، اکثر ہندوستانی اور پاکستانی والدین کی زبانی ان کے پانچ سے سات آٹھ سال کی عمر کے بچے بچیوں کے متعلق شکایت سنی اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ والدین کچھ کہہ رہے ہیں، بچے بچیاں کچھ کہہ رہی ہیں، اسی عمر میں وہ والدین کی اطاعت سے باہر ہیں'' (۱۲)

اخلاقی گراوٹ، عریانیت وفحاشی، اغوا اور عصمت دری، عشق ومحبت کی آوارہ گردی کی مزید داستان ملاحظہ فرمائیں:

''جو اولاد سلب پدر او بطن مادر سے نکلتی ہے.... پیدا ہونے کے ایک ہی گھنٹے بعد دوسرے کی نگرانی میں چلی جاتی ہے..... نرسیں دیکھ بھال کرتی ہیں........ .....سال دو سال کے بعد نرسری کی ملکیت ہوجاتی ہیں.....اس سے بڑی اور سیانی ہوئی تو......اسکول اور کالج، یونیورسٹی کی مخلوق بن جاتی ہے.....وہ کالج اور وہ یونیورسٹی اور وہ اسکول جس کے حُسن جس کی صفائی........جس کی شانداری کی باتیں میں نے اُوپر لکھیں ان میں رہنے والی مخلوق جھانگھیا (بکنی) پہنے تقریباً برہنہ یا نیم برہنہ سڑکوں پر دوڑتی ہے.........گھاس پر لوٹتی ہے....سیڑھیوں پر دیوانوں کی طرح بیٹھی ہوئی..... بال بکھرے ہوئے..... جامہ تار تار..... سگریٹ پیتی رہتی ہے....چرس اڑاتی رہتی ہے.....بھانگ کھاتی رہتی ہے......کوکین کا انجکشن لیتی رہتی ہے.....زنا کرتی رہتی ہے..... .....اور کمسنی میں حاملہ ہوجایا کرتی ہے.....والدین کو معلوم ہوتا ہے تو اس پر فخر کرتے ہیں.....اور تفاخر سے اس کا اعلان کرتے ہیں (۱۳)

یہ ہے ترقی یافتہ زوال پذیر معاشرے کے لڑکے اور لڑکیاں! جن کی روداد زندگی پڑھ کر ہی جی متلانے لگتا ہے، جو لوگ ان زوال پذیر تہذیب کی تقلید کے حامی اور خواہاں ہے، ان کو سوچنا چاہئے

کہ کیا ایسے معاشرے کی تقلید ان کو راس آئے گی؟ میاں ہندوستان کے ایک صوبہ کی تہذیب ومعاشرت، رہن سہن، لباس اور کھان پان دوسری ریاست والے قبول نہیں کر پاتے ہیں، مثال کے طور پر یوپی اور بہار والے گوشت میں کدّو ڈال کر سالن بناتے ہیں تو کیرالا والے اسے پسند نہیں کرتے اور کیرالا والے گوشت اور مچھلی میں پکے کیلے ڈال کر شوربا بناتے ہیں تو یوپی، بہار، بنگال اور مہاراشٹر والے پسند نہیں کرتے ہیں تو بکنی، چڈی پہن کر سگریٹ اور چرس پینے، کوکین کھانے والی اور شادی سے پہلے بچہ جننے والی کو ہمارا مشرقی معاشرہ پسند کر سکتا ہے؟ جن لوگوں نے یوروپ کی تقلید کی، آوارگی کی زندگی کو اپنایا، شادی سے پہلے عصمت کو گنوایا ہمارے معاشرے نے ایسی لڑکیوں کو کھلونا کے روپ میں تو قبول کیا لیکن بہو کی شکل میں نہیں اپنایا۔ ایسی لڑکیاں یا تو بہتّر ہاتھوں کا کھلونا بن کر بڈھی ہوئی یا غیروں کے ساتھ فرار ہوئی، کچھ دنوں تک عاشق نے رکھا ایک یا دو بچہ پیدا کرنے کے بعد اس کا دل بھر گیا، اس کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا لیا، ایسی عورتیں یا تو بسوا بنی یا گھر گھر برتن دھو کر مری یا نہیں تو پھانسی کا پھندا لگا کر زندگی کا چراغ گل کیا، یوروپ کے عشق کے تقلید کا نشہ ہرن ہوا تو آنکھوں سے اشک رواں ہوا جوان کا مقدر بن گیا، ایسے متوالوں کو کل تک ہزاروں آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھ رہے تھے، لیکن جب معاشرے نے دھتکار دیا تو کوئی ان کے آنسو پوچھنے والا، گلے سے لگانے والا، عزت کی نظر سے دیکھنے والا، تعریف کرنے والا نہ ملا، اس سے معلوم ہوا کہ مشرقی دنیا میں رہنے والوں کو مغرب کی ہوا راس نہیں آسکتی ہے، وہاں بے شرمی اور بے حیائی کی کیسی کیسی ہوائیں چلتی ہیں، مزید ایک نظر ڈالیے:

"(امریکہ میں) اخباروں کے نصف حصے لوٹ... غارت گری... قتل... اغوا... انفرادی ... اور اجتماعی عصمت دری کے بیشمار واقعات سے بھرے رہتے ہیں... اس ماحول میں بچے پل کر احساسات کی نزاکت سے محروم ہو جاتے ہیں... وہ لوٹ ضرورت کے لئے نہیں کرتے یہ ان کی ہابی ہے... اغوا اور عصمت دری، جذبات شہوانیہ کے لئے نہیں کرتے ... یہ ان کا کھیل ہے... قتل وغارت گری، دشمنی اور عداوت سے نہیں یہ ان کا شوق ہے..... راستے میں دو نوجوان جوڑے ہنستے بولتے جا رہے ہیں..... چند نوجوان انہیں گولی یا چھرا مار

کر قتل کردینے کے بعد اسی طرح خوش ہوں گے جس طرح کوئی بذلہ سنج کسی
پر جملہ کس کر محظوظ ہوتا ہے۔

اخبارات میں جو زنانہ کالم ہوتا ہے اس میں لڑکیوں اور عورتوں کے خطوط ہی
صرف ہوتے ہیں اور ان کا موضوع تقریباً ایک ہی ہوتا ہے... عشق اور آوارگی
کی دلچسپ داستانیں ،کوئی لڑکی مشورہ لیتی ہے کہ میرا دوست صرف ہفتہ کی
چھٹی کے دنوں میں آتا ہے دو راتیں میرے ساتھ بسر کرتا ہے، میں اسے اور
دنوں میں بھی آنے کے لئے کہتی ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میں دو دنوں سے زیادہ
تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا... میرے ساتھ رہنا ہے تو رہو ورنہ راستہ پکڑو،
بتائیے میں کیا کروں؟ لکھنے والی کا نام ہوتا ہے، پورا پتہ ہوتا ہے'' (۱۴)

سفینہ کے مقدر میں لکھا تھا ڈوبنا ڈوبا
کوئی اتنا بتادے سینۂ ساحل پہ کیا گزری

امریکہ کے معاشرے کی آڑی، ترچھی، بگڑی اور مسخ شدہ تصویریں کہہ رہی ہیں کہ اے
حیاوغیرت کے پاسداروں، عفت وعصمت کے محافظوں، قرآن کے احکام پر عمل کرنے والوں،
مشرقی دنیا میں سانس لینے والوں میرے قریب مت آؤ، ورنہ تم بھی بگڑ جاؤ گے، ہم بگڑے ہوئے
ہیں تو بھی ہمارا بے حیا معاشرہ ترقی کے نام پر ہمیں گوارہ کئے ہوا ہے، ناجائز اولادوں کی پیدائش
پر نہ کسی کو غم ہے نہ فکر، لیکن تمہارا معاشرہ اور معاشرے کے لوگ یہ سب گوارہ نہیں کریں گے، تم مشرقی
تہذیب وتمدن کے دائرے میں رہو، مشرقی تہذیب کی ہی حفاظت کرو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

امریکہ میں جشنِ طلاق

اگر کوئی آدمی سر کے بل چلے تو یہ عجوبہ ہے اور اس عجوبہ کو دیکھنے لئے سینکڑوں آدمیوں کا اکٹھا
ہونا عجوبہ نہیں ہے، اسی طرح سے تمام مذاہب واقوام میں شادی اور طلاق کی رسمیں عجوبہ نہیں ہے، شادی
کے موقع پر خوشی اور طلاق کے موقع پر غم کا اظہار عام بات ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے، اگر اس کے
برعکس ہوتا ہے تو عجوبہ کہلائے گا، اور ایسا عجوبہ یوروپ وامریکہ کے معاشرے میں ہی جنم لیتا ہے،
مردوں کے ہاتھوں ذہنی وجسمانی اذیتیں اٹھانے والی خواتین مجبوری میں خلع لیتی ہیں تو بھی اسے افسوس

ہوتا ہے، مگر امریکہ میں اب ایک چلن کی شروعات ہوئی ہے، طلاق لینے والی عورت طلاق کے موقع پر جشنِ طلاق مناتی ہے، حیرت میں ڈوب کر اس عجوبہ واقعہ کو ذیل میں پڑھیے:

''واشنگٹن (یو این آئی) دنیا واقعی بوالعجبی ہے شادی خانہ آبادی کی تقاریب سے ابھی فرصت نہیں ملی تھی کہ انقلابات زمانہ نے ایک اور مصروفیت بڑھا دی، شادی شدہ جوڑے کی طلاق کی باقاعدہ پارٹی کا انعقاد ذرا انوکھی بات ضرور ہے لیکن امریکہ میں بعض اہم ہستیوں کی طرف سے اس اقدام کو اب امریکی عوام میں بھی پزیرائی ملنے لگی ہے، کیلیفورنیا کے شہر لاس انجلس کی ''کرسٹین بیٹن'' نے اپنی ۱۹ سالہ شادی کے بعد جب طلاق حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس موقع پر انہوں نے ایک باقاعدہ تقریب منعقد کی، تقریب میں ۴۰ سالہ ''بیٹن'' نے ایک بڑے کیک اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء کا انتظام کیا اور کئی دوستوں کو بھی اپنی پارٹی میں شرکت کی دعوت دی، ان کا کہنا تھا کہ طلاق حاصل کرنا ان کے لئے شفایائی کے تجربے جیسا تھا، میں اب اپنی نئی زندگی سے لطف ہونا چاہتی ہوں، امریکی بلاگر اور مصنفہ ''لوئیس ٹارٹر'' کے بھی کچھ ایسے ہی خیالات ہیں، ان کے مطابق طلاق بھی ایک انقلابی تبدیلی ہے، جسے یاد رکھنے کے لئے اس دن کا جشن منانا چاہیے اور سالگرہ یا شادی کی طرح کم از کم پارٹی تو ضرور منعقد کرنی چاہیے، امریکہ میں طلاق کے موقع پر اس قسم کے انتظامات اب رفتہ رفتہ اب عام ہوتے جارہے ہیں اور ملک کے بڑے شہروں میں تو ڈائیورس پارٹیز کے لئے باقاعدہ ایونٹ پلانرز کی خدمات بھی حاصل ہیں'' (۱۵)

ناجائز بچوں کی زبوں حالی پر مغربی مفکرین کا ردعمل

الامان والحفیظ! جو ملک آزادگی، آوارگی اور بے ہودگی میں اپنی مثال آپ ہوا سے صف اول کا ترقی پسند ملک کہا جارہا ہے اور لوگ اس کی تہذیب کی تقلید کو اپنے لیے باعث عزت و افتخار سمجھتے ہیں۔

جدت پسندی کے دل دادوں آپ نے کبھی غور کیا کہ جہاں کی لڑکیاں شادی سے پہلے بچے جنتی ہیں، جہاں کے لڑکوں میں شباب کی مستی بالغ ہونے اور ہوش سنبھالنے سے پہلے آجاتی ہے ، جہاں نوعمر بچوں اور بچیوں کے سادہ ذہن کو عشق ومحبت ،عریانیت وفحاشی اور عشوہ گری کی کہانیوں سے آلودہ کردیا جاتا ہو، جہاں کے بڑے بوڑھوں میں حیا نام کی کوئی چیز نہ ہو، جہاں عفت وعصمت لوٹنے والوں کو قابل نفرت اور سزا کے لائق نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ ایسے لوگوں کو واہ واہ کی داد ملتی ہو، ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہو، جہاں ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے عشق ومحبت اور عصمت دری کے گُر سکھائے جاتے ہوں اور جہاں جانائز بچوں کی قطاریں لگیں ہوں، ایسے ملک یا ممالک کو ترقی یافتہ کہا جائے ؟:

''یو، این، او ۔کی رپورٹ کے مطابق بعض یوروپین ممالک میں ناجائز ولادتوں کا اوسط ساٹھ فیصدی تک پہنچ گیا ہے (۱۶)

ایسے ممالک کو آپ ترقی یافتہ کہتے ہیں حالانکہ معاشرے کی ایسی گندگی سے اکتا کر وہاں کے مفکرین کہتے ہیں کہ قرآن کے قانون کو نافذ کئے بغیر اس وبا پر قابو نہیں پایا جاسکتا ہے، ذیل کا اقتباس پڑھئے:

''خود مغرب کے کئی مفکرین اپنے معاشرت کی اخلاقی پستی اور اس میں ایسی عورتوں اور ناجائز بچوں کی زبوں حالی دیکھ کر چیخ اٹھے ہیں اور برملا کہنے لگے ہیں کہ قرآن کے قانون پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے (۱۷)

دل کا سکوں، روح کی راحت، نظر کا عیش
میں جس کو پوچھتا ہوں تری ان چمن میں ہے

اس دور کے لوگ بھی عجیب ہیں جو عجیب قوانین بنا کر عجیب طرح سے زندگی گذارتے ہیں، یہ عجیب لوگ یوروپ وامریکہ پر قبضہ کئے ہوئے ہیں، جو بچہ پیدا ہوا، بالغ وجوان ہوا، اپنے دامن میں دولت وخوشی سمیٹے ہوا ہے وہ بچہ پیدا کرنا نہیں چاہتا تو یہ عجیب ہی لوگ ہیں، عقیل احمد خان اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں:

''دنیا بھر میں اب ضبط تولید تحریکیں کام کر رہی ہیں، چین میں ''ہم دو ہمارا

ایک ’’ہندوستان میں ’’ہم دو ہمارے دو‘‘ یوروپ وامریکہ میں دوسروں کے بچے اچھے لگتے ہیں، نوجوان جوڑوں کو اپنے بچے ابھی نہیں چاہیے ’’عمر یا بیتی جائے‘‘، جنسی سکون کے لیے نوجوان لڑکے لڑکیاں مغربی معاشرے میں بغیر شادی کے ایک ساتھ رہتے ہیں، جب جی بھر گیا پارٹنر بدل لئے، بچوں کی ذمہ داری نہ لڑکے اٹھانا چاہتے ہیں نہ لڑکیاں‘‘ (۱۸)

قرآن کے نافع قوانین

قرآن سے عناد رکھنے والے آج قرآن کی انجمن میں جائے پناہ کے متلاشی ہیں یہ قرآن کا اعجاز اور اس کی عظمت وصداقت کی واضح دلیل ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ یورپ وامریکہ میں جب تک قوانینِ قرآن کا نفاذ نہیں ہوتا ہے، وہاں سے برائیوں کا خاتمہ ناممکن ہے، اور دنیا کو یہ معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ نے جامع اور صاف ستھرے معاشرے کی بنیاد ڈالی، جس کا اعتراف ’’مائیکل این ہارڈ‘‘ Mical N Hard نے اپنی کتاب ’’TheHundred‘‘ میں کیا ہے اور حضرت محمد ﷺ کو اول نمبر پر رکھا ہے، اب تو یوروپ وامریکہ اور براعظم کے دانشوروں کو آگے بڑھ کر اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے سعی کرنی چاہیے۔

تہذیب جدید نے انسان کے خرمن ہستی میں جو آگ لگائی ہے جس سے نوخیز نسل کی عفت وعصمت جھلس رہی ہے اگر اس لاعلاج بیماریوں پر قدغن لگانا چاہتے ہیں تو قوانینِ ایجادِ بندہ ترک کر کے اسلام کے مؤثر قوانین پر عمل پیرا ہونا ہوگا، چنانچہ ماضی میں یورپ وامریکہ اپنے اپنے ساختہ پرداختہ قوانین کے ذریعے جب برائیوں پر کنٹرول نہ کر سکے تو اپنے اپنے ملک میں برائیوں کی کھلی چھوٹ دے دی، جو غم کا مداوا اور بیماریوں کا علاج نہیں تھا:

’’شراب کے زہریلے اثرات دیکھ یوروپ وامریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ براندام ہیں، اس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارہ دلانے کے لئے بڑی بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوششیں کی جارہی ہیں، حکومت امریکہ نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور وشور سے جہاد جاری رکھا اور اس جہاد میں نشر واشاعت اور پروپگنڈے کے جدید ترین اور قومی ترین وسائل اختیار کئے

،اخبارات، رسالے، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لئے برسر پیکار رہے، اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر (ساٹھ کروڑ روپیہ) خرچ کیا، پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا، تین سو افراد کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا، پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید و بند کی سزائیں دیں، بھاری جرمانے کئے، بڑی بڑی جائدادیں ضبط کی گئیں، لیکن یہ ساری چیزیں بے کار ثابت ہوئیں، آخر کار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی جس کے خلاف عرصہ تک وہ معرکہ آرا رہی تھی، کو ۱۹۳۳ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا (۱۹)

جہاں پر حکیمانہ اور مخلصانہ کوششیں بے کام ہو گئیں تو قوم کو گناہ کرنے کے لئے بے لگام چھوڑ دیا گیا، یہ باتیں حکمت و دانشمندی سے خالی ہے، زمانہ جاہلیت میں اسی طرح کے گناہ عام تھے، جسے محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی حکمت عملی سے ختم فرمایا، محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وہ حکمت عملی قانون کی شکل میں آج بھی موجود ہے، قوم کو گناہوں سے نجات دلانے کے لیے اسی حکمت عملی کو اپنانے کی ضرورت ہے، ہر ملک کی الگ الگ کہانیاں ہیں، کئی مما لک کے حکمراں برائیوں پر روک نہیں لگائے پائے تو کھلی چھوٹ دے دی، برطانیہ جب جوا پر روک لگانے سے عاجز آ گیا تو اس نے بھی جوا کی کھلی چھوٹ دے دی:

"اسی طرح برطانیہ میں جوا اس (جوا) پر برائے نام پابندی تھی اسے بھی ۱۹۶۱ء میں واپس لے لیا گیا، اور اس کی بیخ کنی کے لیے ساری مساعی کے ناکام ہو جانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سندِ جواز مل گئی (۲۰)

اسے تو وقت کی آندھی نے روندھ ڈالا
حیات کھوج رہا تھا جو کل برائی میں

امریکہ میں جرائم کی تعداد آبادی سے بارہ گنا زیادہ

جس مملکت کا سربراہ اور عدلیہ دونوں مجرموں کی بالادستی سے مرعوب ہو کر سپر ڈال دیں تو پھر وہاں معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی خرابیوں کو عام ہوتے کتنی دیر لگے گی؟......نظام حکومت کی

تشکیل اور عدالت و منصف کے قیام کا مقصد شر و فساد کا سد باب کرنا اور ہر طرح کے جرائم کا قلع قمع کرنا ہے نہ کہ اوباش اور غنڈے لوگوں کی شر انگیزی سے خوف زدہ ہو کر انہیں کھلے عام برائیوں کی راہوں پر گامزن کرنا ہے، اس پر مزید ستم یہ کہ برائیوں کو قانونا جائز قرار دینا گویا پورے معاشرے کو رو بہ زوال کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ تیس سال کے دوران امریکہ میں جرائم کی تعداد، آبادی سے بارہ گنا زیادہ کی رفتار سے بڑھی ہے، ثبوت کے لئے ذیل کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے:

''۱۹۹۰ء کے دوران امریکہ میں نہ صرف قتل ہوئے بلکہ عصمت دری، ڈکیتی اور آئے دن کے تصادم اپنی انتہا کو پہنچ گئے، اطلاع کے مطابق اس ایک سال ۱۹۹۰ء کے دوران ساٹھ لاکھ واقعات رونما ہوئے۔

ملک میں ایک عام آدمی کو کسی متشدد واقعہ کا نشانہ بن جانے کا زیادہ خطرہ ہے، بہ نسبت کسی کار حادثہ کی زد میں آکر ہلاک ہونے کے، فطری وجوہات سے رونما ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد اتنی نہیں ہے جتنی گولی چلنے کی وجہ سے بتایا گیا ہے کہ گذشتہ ۳۰؍سال کے دوران امریکہ میں جرائم کی تعداد، آبادی سے بارہ گنا زیادہ کی رفتار سے بڑھی ہے۔

بوسٹن میں جہاں ۱۹۹۰ء کا سال انتہائی خونیں ثابت ہوا اور ۱۵۰؍ ہلاکتیں ہوئیں، کسی چمنی پر ایک خاتون کی سوختہ لاش پڑی ملی جسے قتل کر دیا گیا تھا، ایک دوسری خاتون کی عصمت دری کی گئی اس پر سو سے زائد چاقو کے حملے کئے گئے اور سٹی پارک میں برہنہ پھینک دیا گیا جہاں اس نے آخری سانس لی۔

لاس اینجلز پولس کا کہنا ہے کہ متعدد علاقوں میں گروہ بندی اور منشیات کے کاروبار کی وجہ سے قتل کی وارداتوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے، دیہی علاقوں میں ''آئش'' نامی نشہ آور شئے کے کاروبار کی وجہ سے متشدد جرائم رونما ہونے لگے ہیں، جبکہ دیہی علاقوں کو محفوظ اور خرافات سے پاک سمجھا جاتا تھا'' (۲۱)

ایک سال کے اندر عصمت دری، ڈکیتی اور آئے دن کے تصادم کے ساٹھ ہزار واقعات کوئی

معمولی واقعات نہیں ہیں، برائیوں کے اتنے واقعات کے پیش نظر ہر مہذب انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ انسان سے انسانیت رخصت ہوگئی ہے یا ہوتی جارہی ہے؟ درندے بھی اپنی حد اور اپنے حدود میں درندگی پھیلاتے ہیں، مگر یہ انسان ہیں جنہوں نے درندگی میں درندوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، اس تعلق سے مزید باتیں یہ ہیں:

''سینٹ کی عدلیاتی کمیٹی نے حال ہی میں اپنی اسٹاف رپورٹ میں کہا کہ جرائم کی تعداد میں اضافہ کا سبب یہ ہے کہ مجرموں کو اپنی گرفتاری کا زیادہ خطرہ نہیں ہے، کیونکہ پولس کے پاس نہ تو مناسب مقدار میں اسلحہ ہے اور نہ ہی وہ تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ مؤثر ثابت ہوسکیں، رپورٹ میں کہا ہے کہ ہمارے عدالتی ذرائع کے سارے اقدامات بے سود معلوم ہوتے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق جرائم کی تعداد میں اتنا زیادہ اضافہ ہوا ہے کہ عدلیاتی نظام کی مجرموں کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کی طاقت کم محسوس ہونے لگی ہے، بالفاظ دیگر جرائم پر قابو پانا عدلیہ کے بس میں نہیں رہا لہذا مجرموں کو سزا کا خوف ہی نہیں رہا، وہ زیادہ جرائم کی طرف راغب ہونے لگے ہیں اور تشدد سے پرہیز کرنے والے مجرم بھی متشدد ہوگئے ہیں، حالیہ ''جرائم کانفرنس'' میں گشتی پولس کے چیف ہیرالڈ جانسن نے کہا کہ مسئلہ کے سنگین ہوجانے کا قوی امکان ہے۔

سپریم کورٹ جسٹس سینڈرا اور کونور نے اسی کانفرنس میں کہا کہ موجودہ صدی کے دوران ''سنڈے اسکول وائی ایم سی اے اور پبلک سسٹم'' قائم کرنے کے بعد جرائم کم ہوگئے تھے لیکن ۱۹۹۰ء کے دوران ملک جرائم کی تیز لہر کی زد میں آگیا۔

سینڈرا اور کونور کے مطابق ہم میں سے بیشتر محض اس لئے جرائم سے باز رہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ جرائم گناہ ہیں، لہذا جرائم کو روکنے کا طریقہ یہی ہے کہ نئی نسل کو گناہ اور ثواب کا فرق بتایا جائے اور ایسے تمام حالات کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے جو جرائم کی ترغیب دیتے ہیں'' (۲۲)

قرآن انسان کا بہترین رہنما ہے

امریکی سپریم کورٹ کے جسٹس کے بیان کا آخری پیراگراف پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، موصوف کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ جرائم سے باز رہتے ہیں وہ جرائم کو گناہ سمجھتے ہیں، چنانچہ صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ نئی نسل کو گناہ اور ثواب کا فرق بتایا جائے، امریکی حکومت اور عوام موصوف جسٹس کے بیان کو قابل عمل سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر موصوف معاشرے کی بے حیائی، برہنگی، ظلم واستبداد، قتل وغارت گری اور جنسی آوارگی کی پیوندکاری کا جو حل تلاش کیا ہے وہ معقول ومفید اور اسلامی اصول کا ہی ایک حصہ ہے، جس پر عالمی برادری کے حکمرانوں کو عمل کر کے معاشرہ کو پاک کرنا چاہیے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ ذہن وفکر دیا ہے کہ گناہ جس طرح اس مادی دنیا کے لئے مضر رساں ہے اسی طرح آخرت کی کھیتی کو بھی برباد کرتا ہے اور ثواب کمانے والے اس دنیا میں بھی باوقار زندگی بسر کرتے ہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔

اس سلسلہ میں قرآن حکیم انسان کی رہنمائی کرتے ہوئے منزل مقصود کا اتنا صحیح پتا بتاتا ہے کہ راہِ حق کا متلاشی کسی تذبذب میں مبتلا ہوئے بغیر اپنے دامن میں مسرت وشادمانی کی دولت سمیٹتا ہوا منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور برائیوں کی طرف پلٹنے والوں کو ماضی کے نافرمانوں کی تاریخ دہرا کر اسے تنبیہ کرتا ہے کہ دیکھوں ان پر کیسے کیسے عذاب نازل ہوئے اور تم بھی جو کرو گے اسی کا اجر تمہیں ملے گا:

"ترجمہ! جو ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں، اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا" (۲۳)

"ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کی جزا اور یہ بھی حدونہایت کے طریقہ پر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے جتنا چاہے اس کی نیکیوں کو بڑھائے، ایک کے سات سو کرے یا بے حساب عطا فرمائے، اصل یہ ہے کہ نیکیوں کا ثواب محض فضل ہے یہی مذہب اہل سنت کا اور بدی کی اتنی ہی جزا یہ عدل ہے" (۲۴)

اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی راہوں کو چھوڑنے، فرمانِ نبی ﷺ کی سرتابی کرنے، انسانیت سے دور ہونے، درندگی اختیار کرنے، شہوت پرستی میں گرفتار ہونے، نافرمانی کرنے، سرکشی اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے تو زمین والوں پر آندھی آتی، طوفان وسونامی اور سیلاب آتے، وبا پھیلتی، شہر، بستیاں اور علاقے تباہ ہوتے ہیں، پھر بھی انسان آنکھیں نہیں کھولتا، گناہوں سے توبہ نہیں کرتا، کچھ دیر کے لیے خوف کھاتا پھر بے خوف ہو جاتا ہے، اسی سے متعلق قرآن مجید میں ہے:

''اور کتنے ہی شہر تھے جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان سے سخت حساب لیا[1] اور انہیں بُری مار ماری[2] تو انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہوا، اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اللہ سے ڈرو، اے عقل والو! وہ جو ایمان لائے ہو، بیشک اللہ نے تمہارے لیے عزت اتاری ہے'' (۲۵)

قرآن پاک کی اس آیت کے ترجمے سے صاف ظاہر ہے کہ جو شہر یا بستیاں اور ان میں آباد لوگ تباہ ہوئے وہ رب تبارک وتعالیٰ کے حکم کے نافرمان تھے اور اپنے رسولوں سے سرکشی کرتے تھے، انسانیت کو اپناتے نہیں تھے، برائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے، گناہ کرنے میں ان کو لطف آتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے سخت حساب لے کر ان پر عذاب نازل کیا، جس کو قرآن نے بری مار مارنا کہا ہے، اور آخرت میں ان کے لئے سخت عذاب تیار رکھا گیا ہے، آیت کی تفسیر میں علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''تشریح:۔ بہت سے ایسے احکام مذکورہ ہوئے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی ازدواجی زندگیوں سے ہے، مناسب طور پر ان احکام کی بجا آواری کی تاکید بھی کی گئی ہے، اب بڑے کھلے الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنی پسند اور ناپسند کو احکام الٰہیہ پر مقدم رکھا، اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی اور ارشادات الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا تو اس کا انجام بڑا عبرتناک ہوگا، ذرا ان قوموں کی تاریخ پڑھو اور ان برباد شدہ شہروں اور بستیوں کی درد بھری داستانیں سنو، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور اس کے رسولوں

کی اطاعت سے منھ موڑا، جنہوں نے تمرد و سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے ان سے بڑی شدید باز پرس کی اور ان پر ایسا عذاب نازل کیا جس نے ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

اس دنیا ہی میں ان کو ان کے کرتوتوں اور بد اعمالیوں کا مزہ چکھا دیا گیا، انہوں نے جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سرکشی کی جو روش انہوں نے اختیار کی اس کا انجام کتنا خوفناک تھا، وہ تو اپنی عیاریوں اور نوسر بازیوں سے بڑی منفعتوں کی آس لگائے بیٹھے تھے، لیکن یہ سب ان کی حماقت اور نادانی تھی، انجام کار انہیں گھاٹا ہی گھاٹا ہوا، انہیں ایسا خسارا ہوا جس کی تلافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔

اس رسوائی اور ذلت سے تو انہیں دنیا میں دوچار ہونا پڑا، روز محشر جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے لیے ایسا دردناک عذاب تیار پائیں گے جس کا ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے اس سرزنس کے بعد اہل خرد کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے الذی امنو فرما کر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ "چالاک لوگ وہ نہیں جو علوم و فنون میں ماہر ہوں جو بڑے چالباز اور سیاستداں ہوں بلکہ حقیقی دانشمند تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ ضوفشاں ہے" (۲۶)

کوئی مانے یا مانے مسلمانوں کو تو مان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کئے ہوئے کو دیکھ رہا ہے، گناہوں سے باز رہنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے گناہوں پر خفا ہو کر وہ ہم پر عذاب نازل کر دے، اور اپنی اولاد کو بھی اسلام کی تعلیمات سے قریب کریں، گناہوں پر خدا کا خوف دلائیں، پاکی و طہارت اور حیا کی حقیقت کا اظہار کریں، نیکی کی خوبیوں سے آشنا کریں، نیک کاموں کی رغبت دلائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اولاد نیک و صالح رہے گی۔

جنسی آوارگی کی تشہیر

ضلالت و بدکرداری کے عمق میں ڈوبے ہوئے مغربی اقوام بصارت و بصیرت سے محروم

ہو چکے ہیں، نئی نسل کی اخلاقی زبوں حالی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلوت میں کئے گئے گناہوں کی تشہیر جلوت کے پردے پر کر رہی ہے اور نادم وشرمندہ ہونے کے بجائے اپنی بدکرداری پر تفاخر کرتی ہے، گناہوں کی یہ اٹھتی ہوئیں موجیں اپنی رَو میں عزت وناموس اور شرم وحیا کو خس وخاشاک کی طرح بہا رہی ہیں، جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر آرہی ہے، سردست رائے شماری پر مبنی امریکہ کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

”امریکہ میں صرف ۱۳ رفیصد لوگ سچ بولتے ہیں جو اپنی آسمانی کتاب پر عقیدہ رکھتے ہیں، ملک میں تقریباً ۹۰ رفیصد لوگ کسی نہ کسی طرح سے جھوٹ بولتے ہیں۔

امریکہ میں بڑے پیمانے پر رائے شماری پر مبنی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ لوگ تنہائی میں سچ بولتے ہیں، رائے شماری کے دوران امریکہ کی ہر پانچ عورتوں میں سے ایک عورت نے کہا کہ تیرہ سال کی عمر سے پہلے ہی وہ باعصمت نہ رہیں، ہر چھ نوجوانوں میں سے ایک نے بتایا کہ بچپن میں ان کو مارا پیٹا گیا اور ان میں کے ہر سات افراد میں سے ایک نے کہا کہ ان کا جنسی استحصال کیا گیا، بیس فیصد عورتوں نے کہا کہ ان کے عاشقوں نے ان کی عصمت دری کی“ (۲۷)

جدید ذہن کا جدید تماشا۔ مسز بن مانس

نفس بہیمی کی شدت نے انسان کو نرے جانوروں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے، جہاں سے اس کے لیے انسانیت اور حیوانیت میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے، تہذیب نو کے شیدائی برائیوں کے محور پر جو کروٹیں لے رہے ہیں، اور برائیوں کا جوالامکھی معاشرے کی پاکیزگی وشرافت کو جس طرح سے نذر آتش کر رہا ہے، اس سے تو یہی گمان ہوتا ہے کہ مرد، عورت کے اور عورت، مرد کے اعصاب پر مسلط ہو گئی ہے، مگر امریکہ کی ایک عورت نے تحقیق کے نام پر جنسی تلذذ کا جو ذلت آمیز اور بھیانک باب وا کیا ہے اس سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے جو بتان مغرب کے تعلق سے مشہور ہے کہ وہ کتوں سے بڑی محبت کرتی ہیں اب جدید ذہن کا جدید تماشا یہ ہے کہ ۱۹۸۴ء میں امریکہ کی ایک عورت جنگلی بن مانس سے شادی کر کے اپنے من مندر کا دیوتا بنا لیا، عقل وخرد کا چراغ اگر روشن ہوتا تو ایسی اخلاق

سوز حرکت پر کبھی بھی آمادہ نہ ہوتی، جس کا انسان اور انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں ہے،، اگر پردے کے پیچھے یہ ڈرامہ ہوتا تو انسانیت اس قدر رسوا نہیں ہوتی اور شرف انسانیت کے پاسبانوں کے ماتھے پر کلنگ کا داغ نہیں لگتا، دریدہ ذہنی کا دلدوز واقعہ یہ ہے:

''نیویارک کے ایک کھاتے پیتے گھرانے کی ایک امریکی عورت نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈارون کی تھیوری کا (کہ انسان پہلے بندر تھا جو ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا ہے) مطالعہ کیا اور اسے شوق پیدا ہوا کہ وہ اس تھیوری کو عملی صورت میں دیکھے، چنانچہ وہ افریقہ گئی اور وہاں اس نے کئی قسم کے بندر اور بن مانس دیکھے اور پھر وہاں سے واپس ہونے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ جہاں تک جسم کی بناوٹ کا تعلق ہے انسان اور بندر کے جسم میں فرق صرف اتنا ہے کہ انسان باتیں کرتا اور ہنستا ہے، لیکن بندر میں باتیں کر نے کی طاقت نہیں ہے، میں بندر کو انسان بنانے کی کوشش کروں گی، اس مقصد کے لئے میں افریقہ سے بہت بڑا بن مانس لائی ہوں، اس سے باقاعدہ شادی کروں گی اور یہ دیکھوں گی کہ اس بن مانس سے میری کوئی اولاد پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر ہوسکتی ہے تو کس قسم کی ہوگی، یہ سب باتیں تجربہ کے طور پر دیکھوں گی، یہ سب میری زندگی کا ایک کڑا امتحان ہے'' (۲۸)

پہلی بات تو یہ ہے کہ ڈارون کی تھیوری ہی غلط ہے کہ ''انسان پہلے بندر تھا، ترقی کر کے انسان بن گیا، اس جھوٹ کے سامنے لوگ حقیقت اور سچ کو بھول جاتے ہیں کہ انسان شروع سے ہی انسان ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان پیدا کیا اور انسان ہے، ڈراوِن (Darwin) کی تاریخ پیدائش ۱۲/اپریل ۱۸۰۹ء تاریخ موت ۱۹/اپریل ۱۸۹۲ء ہے، اس نے اپنی کتاب (The Origin Of Species by Means Of Natural Selection) میں لکھا کہ آدمی پہلے بندر تھا، ترقی کر کے انسان بن گیا ہے، لیکن جانوروں کے محقق علامہ کمال الدین دمیری (متولد ۷۴۲ھ مطابق ۱۳۴۹ء / متوفی ۸۰۸ھ مطابق ۱۴۰۵ء) جو ڈراوِن سے پہلے کے محقق ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''حیات الحیوان'' میں انسان کو انسان اور بندر کو بندر ہی بتایا ہے، البتہ

انسان سے مشابہت والا جانور بتایا ہے، لکھتے ہیں:

''بندر دیگر جانوروں کی نسبت انسان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، چنانچہ یہ انسانوں کی طرح ہنستا ہے، خوش ہوتا ہے، بیٹھنا، باتیں کرنا، ہاتھوں سے چیزیں لینا دینا، ہاتھوں پیروں کی انگلیوں کا جدا جدا ہونا، یہ سب چیزیں انسانوں سے مشابہت رکھتی ہیں، اس کے علاوہ یہ انسانوں کی طرح بہت جلد تعلیم قبول کرلیتا ہے اور انسان سے بہت مانوس ہوجاتا ہے، بوقت ضرورت پچھلے دو پاؤں پر کھڑا ہونا، آنکھوں میں اُوپر اور نیچے پلکوں کا ہونا، پانی میں گر کر ڈوب جانا، نر و مادہ کا جوڑا ہونا، مادہ پر غیرت آنا، اور عورتوں کی طرح اپنے بچوں کو گود میں لئے پھرنا، مذکورہ جملہ خصائص انسانی خاصہ میں داخل ہیں اور سوائے بندر کے دیگر حیوانات میں بہت کم پائے جاتے ہیں'' (۲۹)

بندر کے بہت سارے خصائص انسان سے ملتے ہیں، لیکن یہ کہنا کہ انسان بھی بندر تھا ترقی کر کے انسان بنا ہے، سراسر غلط ہے، لہذا ایک شخص کی انہونی بات پر یقین کر کے ایک عورت کا بن مانس سے شادی کرنا انسانیت اور صنف نازک کی توہین ہے، عورت بندر اور بن مانس سے شادی کرنے کے لیے نہیں پیدا کی گئی ہے بلکہ انسان سے شادی کر کے انسانیت کے دائرے میں رہنے کے لئے پیدا کی گئی ہے، بندر کو انسان بنانے کی زحمت اٹھانے سے بہتر ہے کہ آدمی ہی انسان بنے، اور انسانیت کے دائرے میں رہے۔ مسز بن مانس کی اس بے حیائی پر شیطان بھی شرم سے پانی پانی ہوگیا ہوگا، مگر انسان کا اب ٹو ڈیٹ طبقہ خجالت محسوس نہیں کرتا، بلکہ ترقی پسندی کے نام پر برائیوں کے نت نئے دروازے کھولتا اور دروازہ کھولنے والوں کو لوگ تحسین و آفریں کی داد دیتا ہے۔

امریکی معاشرتی نظام اس قدر درہم برہم ہوچکا ہے کہ اب وہاں صالحیت اور پاک دامنی کا تصور مٹتا جارہا ہے، وہاں کا یہ مرض پُرانا ہے، اس مرض میں افاقہ ہونے کے بجائے دن بدن مرض بڑھتا جارہا ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ گنہگار والدین نے اپنی اولاد کو گناہوں سے روکنے کے بجائے گناہوں کی طرف چھوڑ دیا اور اولاد بگڑتی چلی گئی یوں کہیئے کہ پانی سر سے اونچا ہوگیا اور اتنا اونچا ہوا کہ والدین کے سامنے اولاد گناہ کرنے لگی، اولاد کے اس کارِ گناہ پر والدین شرمندہ ہونے

کے بجائے فخر کرنے لگے، بات یہاں آپہنچی کہ یہی گنہگار اولاد، آدمی کی صحبت سے نکل کر بندر اور بن مانس کے پہلو میں چلی گئی۔

۲۰۱۱ء کی ایک رپورٹ: ہر پانچویں امریکی عورت جنسی تشدد کی شکار

''خود کو دنیا کا سب سے ترقی یافتہ اور مہذب ملک قرار دینے والے امریکہ میں تقریباً ۲۰ فیصد خواتین کم از کم ایک مرتبہ عصمت دری کا شکار بن جاتی ہیں جبکہ ایک چوتھائی کو اپنے قریبی پارٹنر سے بری طرح زدوکوب کا شکار بننا پڑتا ہے، سینٹر فائر ڈیزیز کنٹرول اینڈ پری وینش (سی ڈی سی) کی طرف سے شائع کردہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عصمت دری کا شکار ہونے والی تقریباً ۸۰ فیصد خواتین پہلی مرتبہ ۲۵ سال سے کم عمر میں اس زیادتی کا شکار ہوجاتی ہیں جبکہ نصف سے زیادہ اپنے موجودہ یا سابق پارٹنر کے ہاتھوں عصمت دری کا شکار بنتی ہیں، یہ رپورٹ ۱۸ ہزار سے زائد خواتین اور مردوں کے سروے کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے، سی ڈی سی کا کہنا ہے کہ یہ رپورٹ اپنی نوعیت کی پہلی رپورٹ ہے جس میں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ عصمت دری کا شکار ہونے والی ہر آٹھ میں سے ایک خاتون کو اس کے خاندان کے کسی فرد نے لقمہ تر سمجھ کر استعمال کیا، رپورٹ سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ''الاسکار'' اور ''یگان'' اور نیواڈہ میں عصمت دری کا شکار ہونے والی خواتین کی تعداد سب سے زیادہ ہے، رپورٹ کے مطابق مرد بھی اس قبیح برائی سے نہیں بچ سکے۔ ہر سات میں ایک مرد کو اپنے قریبی پارٹنر کے ہاتھوں جسمانی تشدد کا نشانہ بننا پڑتا ہے، جب کہ ہر ۱۷ میں سے ایک کا کہنا ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ اسے غیر فطری جنسی عمل کا شکار بننا پڑا، امریکی ہیلتھ اور ہیومن سروسز کی سکریٹری کیتھلین سی بکولیس کا کہنا ہے کہ یہ اہم رپورٹ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ لاکھوں امریکیوں کی زندگی کس طرح تباہ کن حالات سے دوچار ہے'' (۳۰)

آزاد معاشرے میں اسی قسم کی لعنتیں پھیلتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے معاشرے میں لڑکے اور لڑکیوں اور مردوزن کے مخلط ہونے کی سخت ممانعت کی ہے، یہاں تک کہ ایک بستر پر دو مرد اور دو عورت کو سونے سے منع کیا ہے، بیسویں اور اکیسویں صدی میں یہ حکمت خوب سمجھ میں آتی ہے کہ ایک بستر پر ہم جنس کا سونا، رہنا اور بیٹھنے کا نتیجہ ہے کہ ہم جنسی کی وبا پھیلی ہے اور اب تو یہ ہم جنسی کے مرض میں مبتلا لعنتی لوگ ہم جنسی کو قانوناً روا ہونے کی مانگ کر رہے ہیں، ہمارے ملک میں بھی ایسے لوگ گاہے گاہے جلوس نکال کر احتجاج کرتے رہتے ہیں، بعید نہیں کہ ایسے لوگوں کو قانونی طور پر جواز کی شکل مل جائے، چند ملکوں نے ہم جنسی کے روا ہونے کا قانون بنا دیا ہے، ایسا اس لئے کیا گیا ہے تاکہ آبادی پر کنٹرول رہے، آبادی کو کنٹرول کرنے کا یہ طریقہ نہایت وحشیانہ ہے، اس کو سیاست کی بساط نے پروان چڑھایا ہے:

امریکہ میں اندرونِ کالج کی حالت

"واشگٹن (ایجنسیاں) امریکی پولس نے ایک یمنی طالب علم کو جنسی تشدد کی کوشش کے الزام میں 5 امریکی طالبات کو حراست میں لیا ہے، حکام کے مطابق حال ہی میں ریاست "ریزونا" میں ایک کالج میں زیر تعلیم پانچ لڑکیوں نے اپنے ہم مدرسہ ایک طالب علم "عصام الشرعی" کی رہائش گاہ میں داخل ہونے کے بعد اندر سے تالے لگا دیے اور کپڑے اُتار کر اس کمرے میں داخل ہوگئیں، تاہم عصام کھڑکی سے چھلانگ لگا کر باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا، عصام کی اطلاع پر پولس نے موقع پر پہنچ کر پانچوں لڑکیوں کو حراست میں لے لیا، ان کے خلاف جنسی تشدد کی پاداش میں مقدمہ درج کرلیا ہے، ذرائع کے مطابق تفتیش کے بعد پانچوں لڑکیوں نے اعتراف جرم کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ سمجھتی ہیں کہ عصام الشرعی نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے، جس پر انہوں نے اسے رضاکارانہ طور پر کئی دفعہ سیکس کرنے کی پیشکش کی تھی، اس نے یہ کہہ کر ان کی تجویز مسترد کردی تھی کہ وہ ایک دیندار مسلمان نوجوان ہے اور اس کا مذہب اسے اپنی بیوی کے سوا کسی دوسری خاتون کے ساتھ جنسی

تعلقات کی اجازت نہیں دیتا، امریکی ریاست ''اریزونا'' میں جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے، ہر سال تعلیمی سال کے اختتام پر کم وبیش 5 ہزار طالبات عریاں دوڑ میں حصہ لیتی ہیں، گزشتہ برس عریاں ''میراتھن ریس'' میں 3 ہزار سے زائد لڑکیوں نے بے لباسی کی حالت میں دوڑ میں حصہ لیا تھا، ان کے کپڑے یونیورسٹی انتظامیہ نے اپنے پاس جمع کر لئے تھے، جامعات کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے بے لباس ہونے والی لڑکیوں کے کپڑے جمع کیے جن کا وزن نصف ٹن تک جا پہنچا'' (۳۱)

اب یہ کہنا غلط ہوگا کہ جنسی تعلقات قائم کرنے کے لئے لڑکے لڑکیوں کو مجبور کرتے ہیں، اکیسویں صدی میں عملی طور پر اس کے برعکس ہو رہا ہے، جیسا کے اوپر کی رپورٹ میں آپ نے پڑھا، دوسری بات یہ کہ اس قحط الرجال میں بھی انگلی پر گنے جانے والے پاک دامن مسلمان لڑکے موجود ہیں جو اسلامی قوانین پر عمل کرتے ہوئے لڑکیوں کی شہوانی خواہشات کو ردّ کر دیا اور صحیح صحیح بتا دیا کہ اسلام اپنی بیوی کے علاوہ دوسری لڑکیوں اور عورتوں سے جنسی تعلقات کی اجازت نہیں دیتا ہے، اسلام کا اتنا صاف و شفاف اور چمکتا ہوا آئینہ دکھانے کے بعد بھی یوروپ و امریکہ کی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں تو حیرت کی بات نہیں ہے، بلکہ بے حس مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں تو حیرت کی بات ہے کہ وہ اسلام کو مانتے اور اسلامی قوانین سے غافل ہیں اور اگر جانتے ہیں تو نفس امارہ کے شکار ہیں، اس رپورٹ میں آخری میں جو بات کہی گئی ہے، نہایت ہی گندی ہے ایسی حیا سوز حرکت تو طوائف بھی نہیں کرتی ہے جو حرکت ایک تعلیم گاہ میں کرائی اور کی جاتی ہے، یہ تعلیم گاہ ہے یا بیسوا گاہ؟ ایسی تعلیم، ایسی حرکت، ایسے کام سے کیا لڑکیوں کو ملازمت ملے گی کہ ننگے دوڑنے کی پریکٹس کرائی جاتی ہے؟ جواب نفی میں ہے تو صرف جنسی تلذذ اور خواہشات بہیمی کا کھیل ہے، مرد تسکین نفس کے لئے یہ سارا کھیل کھیلا رہا ہے، اس بے حیائی کے کھیل پر مشرقی دنیا کے لوگ فدا ہیں کہ مغربی دنیا میں اچھی تعلیم دی جاتی ہے، ایسے لوگوں کو اپنی عقل میں اسلامی اصول کا روغن ڈالنا چاہئے۔

عورتوں نے کیا کھویا اور کیا پایا

تہذیب نو کا موجد یوروپ و امریکہ ہے، جنہوں نے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق

دینے اور دلانے کے نام پر ایک نیا پیچ وخم ایجاد کر کے عورتوں کو گھر سے باہر آنے کی تحریک چلائی، حکومتوں کی اس فراخ دلی پر عورتیں بڑی محظوظ ہوئیں، خوشی سے ان کے دل بلیوں اچھلے اور وہ بخوشی ورغبت کو دتیں، پھاندتیں اور اٹکھلیاں کرتیں گھروں سے نکل کر سڑکوں اور پارکوں میں آئیں، مردوں کے شانہ بشانہ چلنے، دفتروں اور آفسوں میں کام کرنے لگیں، مردوزن کے اس اختلاط کو خوب خوب سراہا گیا۔

عورتیں جب معاشی طور پر خود کفیل ہوئیں تو خودمختاری نے ان میں خود بینی کی خو پیدا کر دی، علاوہ ازیں نفس امارہ نے بھی انہیں گدگدایا کہ اب تم مظلوں ومحکوم نہیں ہو، مردوں کو رجھانے کے لیے تمہارے اندر تھوڑی سی تبدیلی کی ضرورت ہے، چنانچہ عورتوں نے اپنے آپ میں اک نئی آن بان اور شان وشوکت پیدا کرنے کی غرض سے نئے انداز کے قطع وبرید سے مزین ومرصع لباس زیب تن کرنا شروع کر دیا، جس سے ان کے جسم کا نشیب وفراز خوب ظاہر ہونے لگا، بس پھر کیا تھا بے حیائی اور عریانیت کا تہلکہ سیلاب امنڈ پڑا جس کی رَو میں ٹھہراؤ نام کی کوئی چیز نہیں ہے، عریانیت کی اس وبا پر مردوں نے بھی کوئی احتجاج نہیں کیا، بلکہ عریانیت وفحاشی کو تحسین وآفریں کی داد دینے لگے، لباس کی اس نئی تراش خراش سے عورتوں کی وجاہت میں مقناطیسی کشش پیدا ہوئی، دل کشی کی اس ندرت بھری اداؤں پر مردوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔

نظر کا تیر نامحرم پہ جب تم نے چلایا ہے
اسے ابلیس نے زہر ہلاہل میں بجھایا ہے

عورتوں نے دیکھا کہ مردوں کو گمراہ کرنے کے اس کے تمام حربے تیر بہدف ثابت ہو رہے ہیں، چنانچہ جدید تہذیب کے نام پر زندگی کے اصولوں کے پائیدار محور کو ترک کر کے ایک غیر مطمئن انقلاب کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہوگئیں، عورتوں کی اس دیدہ دلیری کی بھی خوب ستائش ہوئی، مردوں کی جانب سے التفات وہمدردی کی عیارانہ شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، عورتوں کو اس سے ایک انوکھا سرور حاصل ہونے لگا، پھر وہ بے تابانہ طور پر اپنے مکار مونس کی طرف بڑھنے لگیں، اس قربت سے مردوں کو جنسی لذت حاصل ہونے لگی، آہستہ آہستہ عورتوں نے خود کو مردوں کے سپرد کر دیا، اب یوروپ وامریکہ اور ان کی تقلید کرنے والے ممالک میں عزت وناموس لٹانا

عورتوں کے شوق میں داخل ہوگیا ، شادی سے پہلے بچے پیدا کرنا وہاں کی تہذیب بن گئی، جدید تہذیب کی قربان گاہ میں شرم وحیا کب کی ذبح ہو چکی ہے، مغرب کی نگاہ میں اب عورتوں کی عفت وعصمت ایک سیر گاہ کی مانند ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے ممالک میں والدالزنا کی تعداد والدالنسل سے کئی گنا زیادہ ہے، ان ملکوں میں فن اور آرٹ کے طور پر کھلے عام لوگوں، ماں باپ اور خویش واقارب کے سامنے عورتیں رقص گاہوں میں برہنہ اور نیم برہنہ حالتوں میں تھرک تھرک کر اجنبی مردوں کے آغوش میں پڑتی ہیں۔

حسن معاشرت کے مٹائے نقوش سب
ہم تاجروں نے قوم کی عظمت بھی بیچ دی

ہندوستان میں جدید خیالات کی تعلیم گاہوں میں لڑکیوں کو نیم برہنہ کر کے رقص کروایا جاتا اور رقص کے دن ان کے والدین کو بلا کر ان کا تھرکنا اور رقص کرنا دکھایا جاہے جو مشرقی تہذیب کی منافی باتیں ہیں۔

جدید دور کے فرسودہ اور مرعوب ذہنوں میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ یوروپ وامریکہ کے ممالک میں بسنے والے لوگ ترقی یافتہ ہیں، ان میں بڑی خوشحالی ہے، ان ملکوں کی حکومتوں کے خزانے پُر ہیں، ان پر زوال نہیں ہے، یہ خام خیالی ہے، ان ملکوں کی حالت ویسی ہی ہے جیسے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں، دکھانے کے اور، ایسے ملکوں پر ایک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ وہ اندر سے کیا ہیں اور باہر میں کیا ہیں۔

ناشاد ممالک پر ایک نظر

روس

دنیا کا کون سا ایسا ملک ہے جو مالی طور پر تعطل کا شکار نہیں ہوا، اور نہیں ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ کسی ملک میں معیاری زندگی قدرے بہتر ہے تو کسی میں غربت کی شرح زیادہ ہے، روس کی خوشحالی وترقی کا شہرہ ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ طلسم بھی ٹوٹ گیا کیوں کہ اصلاحات جھوٹی پبلسٹی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہتی ہے، روس کی حقیقت یہ ہے کہ جب وہاں کمیونزم کا دور دورہ ہوا تو وہ اپنے طور پر نظام زندگی کا خاکہ پیش کیا جس سے متاثر ہو کر بہت سارے ممالک کمیونزم کے خیالات ونظریات کی تشہیر کرنے اور وہاں کی معاشی خوشحالی کی ڈھول پیٹنے لگے، جس کا فائدہ روس کو اس طرح حاصل ہوا کہ دنیا کی نظر میں اس کا وقار روز بہ بڑھ گیا۔

حکومت روس نے عارضی طور پر وہاں کے عوام کی تشنگی بجھا دی اور ان کو ہر طرح کی سہولت مہیا کر دی مگر وہاں کی معیشت اندرونی طور پر کمزور ہوتی گئی یہاں تک کہ تھوڑے دنوں بعد ہی لوگوں کے سروں پر افلاس کا منحوس سایہ منڈلانے لگا، آہستہ آہستہ بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن حکمراں جماعت (کمیونزم) اپنی حکمتِ عملی سے اس راز کو طشت از بام ہونے سے بچائے رکھا، آخرکار نومبر ۱۹۸۹ء میں ''دیوار برلن'' گرنے کا واقعہ ظہور پذیر ہوا تو دنیا اس وقت انگشت بدنداں ہوگئی کہ جو ملک اپنے معاشی استحکام کا دم بھرتے نہیں تھکتا تھا وہاں کے عوام، کیلے، ناسپاتی اور سنترے کے چھلکے کھا کر پیٹ بھر رہے تھے، اس کے بعد وہاں کی بے روزگاری کی رپوٹیں منظر عام پر آنے لگیں، چنانچہ روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی ۳ر اگست ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں سوویت یونین کی بے روزگاری کے تعلق سے ایک رپورٹ شائع ہوئی جو مندرجہ ذیل ہے:

''ماسکو: ۲ر جولائی ماہرین کی پیشنگوئی کے مطابق ماہ جولائی میں لگ بھگ

۳۰ رلاکھ افراد روزگار ایجنسیوں میں درخواست دیں گے، صرف ماسکو میں بیروزگار کی تعداد، دس (۱۰) لاکھ سے زائد اور لینن گراڈ میں دولاکھ پچاس ہزار (۲۵۰۰۰۰) ہوگئی ہے، ماہرین معاشیات وعمرانیات کا خیال ہے کہ اگر معیشت میں منفی رجحان کو روکا نہ گیا تو سوویت یونین میں بے روزگار لوگوں کی تعداد تین کروڑ تک ہوسکتی ہے''۔ (۳۲)

روس میں کمیونزم حکومت کے خلاف اگست ۱۹۹۱ء کے آواخر میں ایک منظم ومضبوط بغاوت کی لہر اٹھی اور باغیوں نے صدر ''گورباشوف'' کو اپنی حراست میں لے لیا، اس کے بعد باغیوں کے سرکردہ لیڈر ''گناڈ نیائف'' نے دنیا کے کئی سربراہوں کے نام خط لکھا، جس میں ایک خط ہندوستان کے وزیر اعظم ''نرسمہاراؤ'' کے نام بھی روانہ کیا تھا، باغی لیڈر اپنے ملک کی غربت اور بے روزگاری کا ذکر کرتے ہوئے رقم کیا تھا:

''ہم گورباشوف سے یہی سوال کرتے رہے کہ ۳۰ رکروڑ افراد کے اس ملک میں بغیر تیاری کے اتنی غیر معمولی اور اچانک تبدیلی کا لانا ٹھیک ہوگا، دنیا کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس وقت ۷ رکروڑ روسی باشندے غربت کی نچلی سطح سے بھی نیچے ہیں، اگر ہم نے محنت کر کے کمانے اور بازار سے اصل قیمت دے کر اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے کی پالیسی نافذ کر دی تو ایک غریب مزدور جواب تک کم قیمت دے کر ضروری اشیاء خریدنے کا عادی ہے وہ اضافی پیسہ کہاں سے لائے گا؟ کیا ہم کو مزدور کی تنخواہ زیادہ کرنی نہیں پڑے گی، تنخواہ میں اضافے کے لئے پیسہ کہاں ہے، اگر ہم نے کارخانوں کو جدید بنایا تو نئی مشینری کے سبب نوجوان بے کار ہو گئے تو انہیں کہاں کھپایا جائے گا، اس وقت روس میں ۳ رکروڑ افراد بیکار ہیں، اس تعداد میں مزید بے کار ہونے والوں کی تعداد ملائی گئی تو ۱۰ رکروڑ سے زائد ہو جائے گی، اب اندازہ لگایئے کہ ۷ رکروڑ غریب اور دس کروڑ بے کار، جملہ ۱۷ رکروڑ حکومت کے سینے پر سوار ہو گئے تو ان کو کھلائے گا کون؟ اور وہ بارود کا گھر بن گئے تو ملک کو بچائے

گا کون؟ گورباشوف کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب ہی نہیں تھا‘‘ (۴۳)

امریکہ کل اور آج

جس طرح ماضی میں روس کی خوش حالی اور ایٹمی ہتھیاروں کا پروپگنڈہ تھا، اسی طرح سے ماضی قریب میں امریکہ اپنے ملک کی آسودہ حالی اور ایٹمی طاقتوں کی خوب تشہیر کی، اسلحہ سازی میں اپنے کو سرفہرست رکھا، عراق کو برباد کیا، عراق کے صدر صدام حسین کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا، افغانستان کو تہس نہس کیا، کویت کو لوٹا، سعودی حکومت کو بیوقوف بنایا، مگر اقتصادی اور معاشی طور پر اس قدر مضبوط نہیں تھا اور نہ ہے، کیونکہ بے روزگار لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد وہاں بھی موجود تھی اور ہے، رپورٹ سے مندرجہ ذیل معلومات ملتی ہیں:

’’واشنگٹن: ۷/جولائی ۱۹۹۱ء امریکہ میں سرکاری ذرائع کے مطابق ماہ جون میں بیروزگاری ۷/فیصد بڑھ گئی ہے، گذشتہ ۵/برسوں کے دوران یہ سب سے بڑا اضافہ ہے، مئی کے مہینے میں بیروزگار شہریوں کی تعداد ۶٫۹ فیصد تھی ان میں ایک لاکھ پانچ ہزار (۱۰۵۰۰۰) بیروزگاروں کا مزید اضافہ ہوا ہے، اس طرح امریکہ میں بے روزگاروں کی کل تعداد ۸۷/لاکھ ہے (۴۴)

یہ تو کل یعنی بیس سال پہلے کی بات تھی، دیکھنا یہ ہے کہ دور حاضر میں مالی اور معاشی طور پر امریکہ مضبوط ہوا ہے یا کمزور؟ اس تعلق سے امریکہ کی مالی کمزوری اور معاشی بدحالی کا چرچا عام ہو گیا ہے ،۸/اگست ۲۰۱۱ء کے تمام زبانوں کے اخبارات کے صفحہ اول پر جلی حرفوں میں یہ خبر شائع ہوئی:

امریکہ بدترین اقتصادی بحران سے دوچار

دینا کی سپر پاور ۱۵/ہزار ارب ڈالر کی مقروض، ہندوستان نے فرانس اور آسٹریلیا سے بھی زیادہ دے رکھا ہے قرض۔

واشنگٹن (ایجنسی) امریکی صدر براک اوباما نے امریکہ کی کریڈٹ ریٹنگ کم کرنے کے لئے اسٹینڈرڈ اینڈ پورز (ایس اینڈ پی) کو چیلنج کیا اور ریٹنگ طے کرنے والی ایجنسی کی حکمت عملی پر ہی سوال اٹھایا ہے، اوباما انتظامیہ نے کریڈیٹ ریٹنگ ایجنسی کا نمک ماڈل کو چیلنج کیا ہے، اوباما انتظامیہ کی ایک

سینئر افسر نے کہا ہے کہ ایس اینڈ پی کے تجزیے میں کئی خراب ڈالر کو نظر انداز کیا گیا لیکن ادھر چین نے امریکہ کو انتباہ دیا ہے کہ وہ اپنی حد میں رہے ،اس نے مشورہ دیا ہے کہ امریکہ کو قرض لینے کی عادت ہوگئی ہے جس سے اسے نجات حاصل کرنی چاہئے، امریکہ میں سرمایہ کاری کرنے والے ملکوں میں چین سرفہرست ہے، امریکہ پر قرض کا بوجھ ۱۵ر ہزار ارب ڈالر تک پہنچ چکا ہے، جس میں اسے 4.5 ہزار ارب ڈالر غیر ملکوں کو ادا کرنے ہیں۔
خاص بات تو یہ ہے کہ ہندوستان نے امریکہ کو فرانس اور آسٹریلیا سے بھی زیادہ ۴۱ر ارب ڈالر کا قرض دے رکھا ہے، لیکن اب جو امریکہ کی حالت ہے اس کا ایک بڑا اثر ہندوستان پر بھی پڑے گا، اس سے قبل اسٹینڈرڈ اینڈ پورز نے امریکہ کی کریڈٹ ریٹنگ ٹرپل اے سے گرا کر ایک درجہ نیچے کر دیا ہے اور ڈبل اے پلس کر دیا ہے، امریکہ کے ۹۵ر سالہ تاریخ میں قرض کا بھیانک نتیجہ پہلی بار دیکھنے کو ملا ہے، اس کے ساتھ ہی دنیا کے اس سب سے بڑے معاشی ملک میں مندی کی آہٹ سے امریکہ میں سرمایہ کار خوفزدہ ہیں، اس سے قبل چین کی ایک ایجنسی نے امریکہ کی کریڈٹ ریٹنگ گھٹا دی تھی، جس سے امریکہ کو کسی بھی طرح قرض دینا زیادہ خطرناک ہوسکتا ہے یا دوسرے الفاظ میں امریکہ میں قرض لوٹانے کی صلاحیت پہلے کی بنسبت کم ہوگئی ہے، امریکہ 100 سال کی تاریخ میں پہلی بار اتنے بڑے قرض کے بحران سے دو چار ہے۔
امریکہ کی اس حالت کا اثر شیئر بازار پر بھی پڑ رہا ہے اور امریکہ کے اثرات سے ہندوستان بھی محفوظ نہیں ہے، سرمایہ کاروں کو شیئر بازار میں ڈھائی لاکھ کروڑ کی چپت لگی ہے، امریکی بحران کا اثر پوری دنیا پر پڑ سکتا ہے، 2008 کی طرح دنیا ایک بار پھر مندی کے عالم میں لوٹ سکتی ہے، امریکی صدر براک اوباما کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے کہ وہ ایسی حالت بننے سے

روکیں لیکن اس دوران ان کے لئے ایک خوشگوار اطلاع بھی ہے کہ جولائی میں روزگار بڑھا ہے، بے روزگاری کی شرح میں تھوڑی کمی آئی ہے، ہندوستان کے وزیر خزانہ پرنپ مکھرجی نے امریکہ کی کریڈٹ ریٹنگ گرنے پر فکر کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ حالات سنگین ہیں، ہمیں اس کا تجزیہ کرنا ہوگا، جس میں تھوڑا وقت لگے گا، ابھی جلد بازی میں اس پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے کہا کہ فی الحال ہمیں امریکی معاشیات کے بحران کا جائزہ لینا ہوگا کہ اس کے اثرات ہندوستان پر کیا ہوں گے اور ان حالات سے نمٹنے کے لئے دنیا بھر کے ماہرین معاشیات سے مشورہ کرنا ہوگا'' (۳۵)

<u>برطانیہ</u>

ایک دور برطانیہ کا بھی تھا، اس کی مالی خوشحالی کے جوبن کی آب وتاب سے دنیا کی آنکھیں خیرہ تھیں، وہاں کے لوگوں کی آسودگی پر لوگ رشک کرتے تھے اور اس کی صنعت وحرفت کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے تھے، اب اس کے ہوش ربا شباب کی چمک دمک ماند پڑتی جارہی ہے، برطانیہ میں جس طرح معاشرہ کی آوارگیٔ فکر کا رخش تیزی سے بڑھتا جارہا ہے، اسی طرح بیروزگاری کا معاملہ بھی سر اٹھا رہا ہے، چنانچہ روزنامہ انقلاب لکھتا ہے:

''نئی دہلی میں برطانوی ہائی کمیشن کے باہر امیگریشن پرمٹ کے لئے ہندوستانیوں کی لمبی قطاریں دیکھ کر ہر کوئی یہ یقین کرنے پر مجبور ہوگا کہ برطانیہ میں معیارِ زندگی بہت بہتر ہے، لیکن نیویارک میں قائم اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (یو۔این۔ڈی۔پی) کی فراہم کردہ ایک رپورٹ کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ایسا قطعی نہیں ہے، اس رپورٹ میں برطانیہ کو دنیا کے ''ناشاد'' ملکوں میں سے ایک بتایا ہے، اس رپورٹ کو پڑھنے کے بعد ان تارکین وطن کو جو خوب سے خوب تر کی تلاش میں وہاں جاتے ہیں، ان کو اپنے سفر پر ازسرِ نو غور کرنا ہوگا۔

رپورٹ کے مطابق، یوروپ میں برطانیہ کے پاس قیدیوں کی سب سے بڑی

تعداد ہے، اس کے علاوہ یہاں طلاق کی شرح بھی سب سے اونچی ہے، یو،
این، ڈی، پی، نے ۸۸ر ممالک سے معلومات فراہم کی ہے جن کے مطابق
برطانیہ میں قیدیوں کی تعداد سب سے زیادہ یعنی ہر ایک لاکھ افراد میں سے
۹۸ر افراد جیل میں ہے، ۴۵ر برس کی عمر کے لوگوں میں ساڑھے چار فیصد
برطانوی طلاق شدہ ہیں، ۱۹۸۹ء میں برطانیہ کے چار لاکھ افراد سرکاری طور پر
بے گھر قرار دیئے گئے تھے، جن میں ایک لاکھ ۹۶ ہزار بچے تھے، لندن میں
بے گھروں کا فٹ پاتھوں پر سونا اور سخت سردی سے حفاظت کے لئے اپنے گرد
اخبارات لپیٹ لینا اور کوڑے کے ڈبوں سے بچی کچی غذا حاصل کر کے کھا لینا
عام بات ہے، وہ سیاح جو ۴ یا ۵ سال کے بعد ہندوستان سے یہاں لوٹتے
ہیں، قیمتوں میں زبردست اضافے سے دوچار ہوتے ہیں'' (۳۶)

مندرجہ بالا تینوں ملکوں کے حالات کی رپوٹیں پڑھ کر تو لوگوں پر یہ عیاں ہو ہی جاتا ہے کہ غریبی اور بے روزگاری کا مرض صرف ہندو پاک و بنگلہ دیش، سری لنکا اور نیپال تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ مالی ناتوانی کا یہ مرض سپر پاور طاقتوں کو بھی پریشان کئے ہوا ہے، اور پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ جو ملک آج مالدار ہے وہ ہمیشہ مالدار ہی رہے گا؟ نشیب و فراز تو مقدر کی لکھی ہوئی باتیں ہیں، اب کوئی مقدر کو ہی نہیں مانتا تو اس دہریہ پن کا کیا علاج ہو سکتا ہے، اپنی صنعت و حرفت اور طاقت پر مکمل یقین کر کے خدا کو بھول جانا بھی عقل و دانائی سے بعید باتیں ہیں، سپر پاور کے تین ملکوں کی معاشی حالت پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اب پھر معاشرے کی جانب رخ کرتے ہیں اور پہلے اسرائیلی معاشرہ کو دیکھتے ہیں کہ وہاں کا معاشرہ کیسا ہے اور وہاں کے معاشرے میں کیا کیا ہوتا ہے۔

اسرائیلی معاشرہ

امریکہ کے تعلیم یافتہ خاندان کی ایک تعلیم یافتہ یہودی لڑکی ''مارگریٹ مارکس'' واشنگٹن یونیورسٹی سے یہودی مذہب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد واشنگٹن کی ایک مرکزی مذہبی تعلیم گاہ کی نگراں مقرر ہو گئیں اس بنا پر ان کی شہرت دور تک پھیلی، اعلیٰ عہدہ پر فائز ہونے کی بنیاد پر کئی ممالک نے ان کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دیں، ان میں اسرائیل نے ان کو اعزاز دینے کا دعوت

نامہ بھیجا جس کو موصوفہ نے قبول کرتے ہوئے، اسرائیل پہنچیں، انہوں نے اسرائیل کے معاشرے کو جس طرح سے دیکھا، اس کی تصویر انہیں کی زبانی کچھ اس طرح کی ہے:۔

''اسرائیل پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہودی معاشرہ دنیا کے دیگر معاشرہ کے مقابلہ میں بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، اس معاشرہ میں ہر چیز بگڑی ہوئی ہے، لوگوں میں ظاہر اور باطن کا تضاد اس درجہ ہے کہ جس کا بیان بھی مشکل ہے، کرپشن اور بدعنوانی نے پورے معاشرہ کو گھیر رکھا ہے، فریب اور دغا یہودیوں کے وجود سے پیوست ہے، اجتماعی زندگی کے جن مراکز میں جا نے کا مجھے اتفاق ہوا، وہاں میں نے مکروفریب کو مجسمہ کے طور پر اپنے سامنے دیکھا، وعدہ کی پاسداری یا پابندی یہودی جانتے ہی نہیں ہیں، اگر میں یہ کہوں کہ یہودی ملک کے سرکاری شعبے رشوت کا گہوارہ ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔

اچھائی اور برائی کے تصور سے دنیا کا کوئی معاشرہ خالی نہیں ہے، لیکن میں نے یہودی معاشرہ میں دیکھا کہ یہاں خیر وشر کا کوئی تصور موجود نہیں ہے، یہاں برائی کو بھی نیکی سمجھ لیا جاتا ہے، اور نیکی کو بھی برائی مان لیا جاتا ہے، جوا، شراب اور زنا ایسی برائیاں ہیں، جن کا تصور ہر معاشرہ میں موجود ہے، لیکن یہودیوں میں یہ برائیاں خوبی سمجھ لی جاتی ہیں، کوئی یہودی ایسا نہیں ہے، جو جوا کھیلنا نہ جانتا ہو، جوا کھیل کر تقدیر بدلنے کا خیال یہودیوں میں عام طور پر پھیلا ہوا ہے، ایسے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں، جب بڑے بڑے متمو ل لوگ جوا میں سب کچھ ہار کر بھکاری بن جاتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی بھکاری ایک رات میں ہی دولت کے انبار جیت کر دولتمند بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسرائیل میں جوا خانے عام طور پر کھلے ہوئے ہیں، مرد ہو یا خواتین، جوا کی لت یہودیوں میں عام طور پر پھیلی ہوئی ہے، عیاشی کرنے کا رجحان عام یہودیوں میں موجود ہے، یہودی معاشرہ میں بوس وکنار کے حیاسوز نظارے بکثرت نظر آتے ہیں، بلوغت کو پہنچنے سے پہلے لڑکیاں ماں بن جاتی ہیں اور

زنا کاری کو برا نہیں سمجھا جاتا، بلکہ کچی عمر میں ماں بننے کو فخر کا کارنامہ مانا جاتا ہے، مارگریٹ مارکس کو ایسے یہودی بھی ملے جو پانی نہیں پیتے، بلکہ پانی کی جگہ شراب پیتے ہیں، عام طور پر یہودی بستیوں میں لوگ گندے رہتے ہیں، پاکیزگی کا تصور تو موجود ہی نہیں ہے یا بہت کم ہے"(۳۷)

اسرائیلی یہودی معاشرے کی برائیاں ستارے کی مانند چمک رہی ہیں، جس کو آپ اس طرح سے گن سکتے ہیں(۱) اس معاشرے کی ہر چیز بگڑی ہوئی ہے، یعنی لڑکے ولڑکیاں، عورت ومرد، جوان وبوڑھے، لباس وخوراک، رہن وسہن وغیرہ (۲) ظاہر و باطن کا تضاد نمایاں ہیں (۳) کرپشن اور بدعنوانی کا دور دورہ، اس کی لہر معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئی ہے (۴) فریب اور دغا یہودیوں کے وجود سے پیوست ہے (۵) مکروفریب کو دیکھنا ہو تو ان کو دیکھئے کہ وہ مکروفریب کا جال کس طرح سے بنتے ہیں (۶) پورا معاشرہ وعدہ خلافی کا مجسمہ ہے (۷) سرکاری شعبے میں رشوت خوری کی وبا عام ہے (۸) شر میں ڈوبے ہوئے لوگ، خیر سے ناواقف ہیں (۹) برائی کو نیکی اور نیکی کو برائی ماننے والے بڑے خودغرض ہیں یہ سارا کام اپنے مفاد کے لیے کرتے اور کہتے ہیں (۱۰) جوا، شراب اور زنا ایسی برائیاں کو خوبی سمجھ کر کرنا ان کی اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے (۱۱) جوا کو تقدیر بدلنے کا عمل قرار دینا نہایت ہی حماقت ہے (۱۲) جوا کی لت کی بنا پر دولتمند فقیر اور فقیر دولتمند بن جاتے ہیں تو کہئے کہ خود کردہ را علاج نیست والا معاملہ ہے (۱۳) مرد وعورت دونوں کا جوا کھیلنا تباہ معاشرے کی علامت ہے (۱۴) عیاشی کرنے کا عام رجحان کی وجہ سے ولدالزنا کی کثرت نے ان گندے کردار کو طشت از بام کر دیا ہے (۱۵) معاشرہ میں بوس وکنار کی حیا سوز حرکتوں کا عام ہونا معاشرے کے تباہ حال ہونے کا ثبوت ہے (۱۶) بلوغت سے پہلے لڑکیوں کا ماں بن جانا بگڑے معاشرے کی روداد ہے (۱۷) زنا کاری کو برا نہیں سمجھنا جہالت کی حد ہے (۱۸) کچی عمر میں ماں بننے پر فخر کرنا بے حیائی کی انتہا ہے (۱۹) پانی کی جگہ شراب پینے کی لت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معاشرہ بالکل خستہ حال ہو گیا ہے (۲۰) ان کے معاشرے میں پاکیزگی کا تصور تو موجود ہی نہیں ہے یہ ان کے سراپا ناپاک ہونے کی شہادت ہے۔

بتائیے کہ اسرائیلی معاشرے میں کونسا ایسا جرم وگناہ ہے جو نہیں ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی

کوئی بھی بات لائق تقلید نہیں ہے، پھر نہ جانے کیوں مسلم قوم ان کی تہذیب و معاشرے پر فدا ہے، انسان کے سراپا پر بہت سارے اعضا ہیں ان میں سے کچھ ایسے اعضا ہیں جن کو چھپانا انسان کی جبلت ہے اور ان کو چھپانے ہی میں بھلائی ہے، چھپانے کی چیزوں کو کھولنا بے حیائی ہے، پھر عورت و مرد کے کچھ اعضا میں کافی فرق ہے، اسی سے جنس کی پہچان ہوتی ہے، مغربی تہذیب میں جنس کا تصور تو ہے مگر جنس کو چھپانے کا وہ قاعدہ یا تصور نہیں ہے، جو اسلام کے اندر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عورت جتنی ڈھکی چھپی رہتی ہے اتنی ہی حسین معلوم ہوتی ہے، مارگریٹ مارکس نے امریکہ اور اسرائیل کے عریاں معاشرے کو دیکھا جن میں کچھ جاذبیت اور کشش نہیں ہیں، یہی مارگریٹ مارکس جب فلسطین پہونچیں تو انہوں نے وہاں کے اسلامی معاشرہ کو دیکھا، جس میں خواتین حجاب پہنے ہوئی تھیں، یہودی عورتوں کی طرح عریاں نہ تھیں، ان عورتوں کو سگریٹ، شراب اور دوسرے نشہ سے پاک پایا، ایک دوسرے کا ہمدرد دیکھا، موصوفہ نے مسجدوں اور مدرسوں کا معائنہ کیا، اسلام کے تعلق سے معلومات حاصل کیں، قرآن مجید اور دوسری دینی کتابوں کا مطالعہ کیا تو ان پر منکشف ہوا کہ اسلام نے زنا، شراب اور جوا کو حرام قرار دیا ہے، یہودیوں میں یہ برائیاں عام ہیں، پانچ ماہ فلسطین میں قیام کیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئیں، فلسطین کی مسلمان خواتین نے ان کا نام "قدسیہ مارکس" رکھا، **فلحمد الله رب العالمین**۔

کاش تمام مسلمان خواتین اور لڑکیاں حجاب کو اپناتیں، عریانیت کو ترک کر کے اسلامی لباس میں رہتیں، اپنی عفت و عصمت کی قدر سمجھتیں، اچھی صحبت اور اچھے ماحول میں رہتیں، اچھے معاشرے کی بنیاد ڈالتیں تو دوسرے مذاہب کی عورتیں اور لڑکیاں ضرور مسلمان خواتین سے متاثر ہوتیں، وہ یہ عزم لے کر اٹھتیں

سکوتِ شب میں صدا کے دیئے جلاؤں گی
میں نور بن کے زمانے میں پھیل جاؤں گی
میرے تو سامنے بپھرا ہوا سمندر ہے
مگر عزم کہ کشتی یہیں چلاؤں گی

فرانس کا معاشرہ

آج کے اس مقابلہ آرائی کے دور میں لگتا ہے کہ لوگ جنسی تلذذ اور بے حیائی کے کاموں میں بھی مقابلہ پر تلے ہوئے ہیں، خاص کر یوروپ وامریکہ جب کوئی برائیاں لے کر میدان میں آتے ہیں تو لوگ ان کی تقلید میں پاگل ہو جاتے ہیں، یوروپ وامریکہ میں بغیر شادی کے لڑکیاں بچے پیدا کر رہی ہیں، ننگے ہو کر لڑکیاں اور عورتیں جلوس میں شامل ہوتی ہیں تو دنیا کے ہر خطے میں یہ وبا پھیل جاتی ہے، یوروپ وامریکہ کی تقلید شروع ہو جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقلید تو کر لیتے ہیں لیکن اس تقلید کے نتیجے میں زندگی اجیرن بن جاتی ہے، بہر حال فرانس کے معاشرہ پر ایک نظر ڈالئے کے وہاں کی کیا حالت ہے:

"فرانس میں ۱۹۸۰ء کی دہائی کے دوران جنم لینے والے بچوں کی ایک چوتھائی تعداد شادی کے بغیر پیدا ہوئی، قومی شماریات ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۸ء میں غیر شادی شدہ والدین کے ہاں دو لاکھ تیس ہزار بچے پیدا ہوئے جو کہ کل پیدائش کی ۳۶ رفیصد ہے، ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد، اکانوے (۹۱۰۰۰۰) لاکھ تھی" (۳۸)

یوں تو سورج کی طرح لوگ تھے روشن لیکن
لٹ گیا پھر بھی خدا جانے سویرا کیسے

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگ انسانیت کو چھوڑ کر حیوانیت کی راہ اپنائے ہوئے ہیں، اس حیوانیت کی وبا کو پھیلانے میں حکومت اور پولس دونوں پوری طرح سے مستعد ہیں، سید محمد قطب لکھتے ہیں:

"بہت سے سطحی طرزِ فکر رکھنے والے اسلام کو محض اس لیے رجعت پسند مذہب سمجھتے ہیں کہ وہ مردوں اور عورتوں کے خلاملا پر قیود عائد کرتا ہے، یہ لوگ تہذیب فرانس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، جس میں عاشق ومحبوب شاہراہِ عام پر دوسروں کی موجودگی میں بے خبر باہم بوس وکنار کر سکتے ہیں، کوئی شخص ایسے جوڑے کو کچھ نہیں کہہ سکتا، بلکہ اگر پولس کا سپاہی انہیں یوں محبت کے نشے میں مدہوش پاتا ہے تو وہ راہگیروں سے انہیں بچانے

کیلئے باقاعدہ پہرا دیتا ہے، تا کہ کوئی ان کے اس کیف وسرور میں مخل نہ ہو، باقی رہے وہ تاریک خیال لوگ جو ایسے مناظر کو دیکھ کر چیں بجبیں ہوتے ہیں تو وہاں انہیں منہ ہی کون لگاتا ہے‘‘(۳۹)

حکومت اور پولس کی پشت پناہی کے بعد مجرموں کے ذریعے بنائے گئے نقوش کو جس طرح چمکنا چاہئے وہ خوب چمک رہے ہیں، لیکن بے غیرتی اور بے حیائی کے بل پر بنائے گئے نقوش انسانیت کی نظروں میں نہایت ہی خراب ہیں، کیوں کہ فرانس کی جدید نسل سرِ راہ جس قسم کی حرکتیں کرتی ہے، ایسی حرکتیں بے عقل جانور کرتے ہیں، جانوروں میں بھی بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی مادہ سے تنہائی میں ملتے ہیں، کھلے عام نہیں ملتے، مگر یہ اشرف المخلوق انسان کو کیا ہو گیا ہے؟ ان کی عقل پر پردہ کیوں پڑ گیا ہے؟ یہ جانوروں سے بدتر کیوں ہو گئے؟ یہ انسانیت کو داغدار کیوں کرتے ہیں؟ ان کو سوچنا چاہئے کہ ہم کپڑا کس لیے پہنتے؟ ستر پوشی کیوں کرتے؟ مکان کس لیے بناتے ہیں؟ ان باتوں پر یہ غور کرتے تو وہ بے غیرتی کے کام اور جانوروں جیسی حرکتیں سرِ راہ کبھی بھی نہیں کرتے، اور نہ وہاں کی حکومت اور پولس کرنے دیتی، انسان کی فطرت اور اس کا مزاج جانوروں کے برعکس ہے، لیکن جدید ترقی پسند نے اپنے مزاج کو جانوروں کے مزاج کے برابر لا کر کھڑا کر دیا ہے، جس سے معاشرہ تباہ اور انسانیت شرمندہ ہو رہی ہے۔

فرانس میں ریلیشن شپ کی وبا

ترقی پسند کہلانے والے لوگوں نے برائی کو جواز کے پردے روا رکھنے کے لئے ایک نیا باب وا کیا ہے اور اسے ’’ریلیشن شپ‘‘ کا نام دے رکھا ہے، یہ برائی آہستہ آہستہ بیشتر ممالک میں پھیلتی جا رہی ہے، لیکن فرانس میں یہ معاملہ کچھ زیادہ ہی ہے، ریلیشن شپ میں عورتیں بچہ بھی پیدا کرتی ہیں اور نہیں بھی، اگر عورت جوان ہے تو بچے جن لیتی ہے اور اگر طلاق شدہ یا بیوہ ہے تو نہیں جنتی ہے، فرانس میں بیس سال سے لے کر پچاس سال کی عورتیں ریلیشن شپ کی وبا میں گرفتار ہیں، یہاں تک کہ ۱۵ سے ۲۲ سال کی اولاد رکھنے والی عورتیں بھی ریلیشن شپ میں پھنسی ہوئی ہیں، ایسی عورتیں اور ایسے مرد کس قسم کے معاشرے کی تشکیل کریں گے؟ کیا وہ چاہیں گے کہ ہمارا معاشرہ صاف ستھرا ہو جائے اور ہماری اولاد اس قسم کی لعنت سے دور رہے؟ کیا ایسے وحشت ناک

معاشرے سے صالحیت کا پودا نمودار ہو سکتا ہے؟ کیا ایسے لوگ صاف ستھرے معاشرے کے خواہاں ہو سکتے ہیں؟ کیا ایسے لوگ معاشرے سے برائیوں کو دور کرنے میں معاون بن سکتے ہیں؟ فی الحال تو اس کا جواب نفی میں ہی دیا جا سکتا ہے، اس قسم کی زندگی گزارنے والے آخر شادی کے بندھن میں کیوں نہیں بندھنا چاہتے ہیں؟ ایسی زندگی گزارنے میں کس کی بھلائی ہے، عورت کی یا مرد کی؟ غور کیجئے تو کسی کی بھلائی نظر نہیں آتی ہے، ایک شیطانی کھیل ہے جو مرد و عورت مل کر معاشرے میں کھیلتے ہیں، اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ہالینڈ کا معاشرہ

مثل ہے کہ ''ساون ہرے نہ بھادو سوکھے'' اسی طرح سے عالمی برادری کے تمام ملکوں کے معاشرے کی حالت یکساں نظر آتی ہے، فرق یہ ہے کہ کہیں حکومت کے قوانین کے زیرِ اثر میں جدید نسل بگڑ رہی ہے تو کہیں آزادیٔ خیال کے نام پر وحشت برپا کر رہی ہے، یعنی کسی بھی ملک کا معاشرہ کسی بھی ملک سے کم نہیں ہے، ماضی میں ملک کے ایک گوشہ میں کوئی واقعہ ہوتا تھا تو دوسرے گوشہ میں نہیں پہنچ پاتا تھا، ریڈیو، ٹی وی، موبائیل، انٹرنیٹ نے عالمی برادری کو کنبہ کے مثل بنا دیا ہے، اب کہیں بھی کوئی بھی واقعہ وقوع پذیر ہوتے کے ساتھ سکنڈوں اور منٹوں میں پوری دنیا میں پھیل جاتا ہے، انہیں ذرائع کے توسط سے ایک ملک کی تہذیب، سماجی روایات، رہن سہن، لباس و معاشرت کی تصویر دوسرے ممالک والے دن رات دیکھتے ہیں، اور پھر اس کی نقل اور تقلید کرتے ہیں، بہر حال ہالینڈ کے معاشرے کی ایک جھلک یہ ہے:

> ''ہالینڈ'' کنگ ڈم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سوشل ویلفر اسٹیٹ ہے، اس لیے یہاں بچے سے لے کر بوڑھے تک سارے شہریوں کی معاشی، تعلیمی، طبی اور رہائشی ضروریات کی کفالت حکومت کرتی ہے، جو لوگ بیکار ہیں یا معذور ہیں کام نہیں کر سکتے، انہیں گذارے کے لیے حکومت کی طرف سے سوشل الاونس ملتا ہے، آزادیٔ رائے چونکہ اس ملک کے شہریوں کا بنیادی حق ہے، اس لیے کسی بھی مسئلے میں نہ والدین اپنی اولاد پر کوئی جبر کر سکتے ہیں اور نہ شوہر اپنی بیوی سے جبراً کوئی بات منوا سکتا ہے، اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اولاد

یا بیوی کی درخواست پر حکومت انہیں فوراً علیحدہ کر دیتی ہے، اب بغیر شوہر کے بیوی اور بن والدین کے اولاد کا جو حشر ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے.......

........اس ملک میں جبری تعلیم کا نظام رائج ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اٹھارہ برس کی عمر تک ہر لڑکی اور لڑکے کو یہاں کے سرکاری اسکول میں پڑھنا ضروری ہے، اب مخلوط تعلیم اور اسکول کے گندے ماحول میں پیدا ہونے والے مفاسد کی بنیاد پر کوئی اپنی اولاد کو اسکول میں نہ بھی بھیجنا چاہے، جب بھی اسے بھیجنا ہوگا اور اگر کسی نے انکار کیا تو حکومت کے کارندے زبردستی اسے اٹھالے جائیں گے، یہاں ہر گھر میں ٹی وی کا وجود لازمی ہے" (۴۰)

بیوی اور بیٹی کسی اور کی ان پر راج کرتا ہے کوئی اور، یعنی حکومت، یہ عجیب مضحکہ خیز بات ہے، ایسے ماحول میں والدین اور شوہر کی فرمانبرداری اور اطاعت کا تصور جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، بیوی اور بچوں کی شکایت پر، شوہر اور والدین کو کوئی ہدایت، نصیحت، تنبیہ کچھ بھی نہیں علیحدگی کا شاہی فرمان کیا معاشرے کئے لیے سود مند ہو سکتا ہے؟ ہالینڈ کا یہ قانون اور یہ رویہ، خاندان اور کنبے کو توڑنے والے ہیں، بہتر سے بہتر کھانا اور کپڑا کوئی کام کا نہیں ہے، جب تک خاندان اور کنبے کا وجود نہ ہو، کھانا کپڑا اور مکان تو فلاحی تنظیم بھی دیتی ہے، لیکن جینے کی وہ خوشی کوئی نہیں دے سکتا جو خاندان اور کنبے سے حاصل ہوتی ہے۔

بنکاک کا معاشرہ

ملک و معاشرے میں ہوس کاری کی لہر دوڑانے کی خاطر آج کل کے حکمراں ایسے ایسے قوانین اختراع کرتے ہیں جو صاف طور سے خیالاتِ اسفل پر مبنی ہوتے ہیں۔ جن سے گل اور گل چین دونوں کو رنگ رلیاں منانے کی آزادی ہوتی ہے، یورپ و امریکہ اور ان کے ہم نوا ملکوں نے جس فحش تہذیب کی بنیاد ڈالی، اور ان ملکوں کے باشندوں نے جس طرح سے اسے اپنالیا، اور آج دنیا اس کی نقل کرنے سے نہیں تھکتی، عریاں اور نیم عریاں رقص و سرور کی لئے پر ہوس کی انگیٹھی خوب سلگ رہی ہے، مزید برآں حکومت ہی نے بتانِ مغرب کو کلبوں اور پارکوں میں چہکنے اور جسم کی نمائش کے لیے شتر بے مہار کی طرح چھوڑ رکھا ہے، حیرت ہے کہ دنیا اس فحش تہذیب اور بے حیا معاشرے

کو تحسین و آفریں کی داد سے نواز کر خود کو اسی میں مدغم کر رہی ہے، لہٰذا مشرقی لڑکیاں مغرب کے ہم رنگ ہونے میں خوب اِترا رہی ہیں، مغرب کی ادا پر اس قدر فریفتہ ہیں کہ اس کی تقلید میں سراپا غرق ہوتی جا رہی ہیں، اب ان اُڑتی چڑیاں کے پر کاٹنا مشکل ہے۔

ادھر حکومت بنکاک نے اس ستم میں ایک اور اضافہ یہ کیا ہے کہ بنکاک کی تمام لڑکیوں اور عورتوں کو جسم فروشی کے لیے لائسنس مہیا کر دی ہے، چنانچہ ایک سیاح اپنے سفر کے دوران بنکاک میں جو کچھ دیکھا اور تحریر کیا ہے اسے پڑھ کر ان غم رسیدہ عورتوں کی یاد میں دو چار بوند آنسو بہا کر ان کی غمگساری میں شریک ہو جائے:

> ''بنکاک میں میں نے پہلی بار کئی نئے تجربے حاصل کیے، یہاں تھائی لینڈ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور شادی کے بعد یہاں بیوی نہیں شوہر ہی بیوی کے گھر جاتا ہے، بیشتر مرد کام دھام بس نام چارے کے لیے ہی کرتے ہیں، چھوٹے سے لے کر بڑے پیشے تک سب پر عورتوں کا ہی غلبہ ہے، بنکاک میں دو چیزیں بہت پسند کی جاتی ہیں، چاول اور عورتیں، ''پٹایا'' ہمارے بمبئی کے کرافرڈ مارکیٹ کے جیسا ہے، کپڑے یہاں سستے ملتے ہیں اور کپڑوں ہی کی طرح یہاں عورتیں سستی ہیں، چاہے کوئی لڑکی یا عورتیں کہیں کام کرتی ہو لیکن آپ ایسی کسی بھی لڑکی کو اپنے ساتھ رات بتانے کے لیے تجویز رکھ سکتے ہیں، یہ مجھے حقیقت میں عجیب سا لگا کہ جسم فروشی کو ''تھائی لینڈ'' میں برا نہیں بلکہ خدمت کا نام مانا جاتا ہے، لڑکی کے ساتھ سودا طے ہوتے ہی وہ آپ کو دو سارٹفیکیٹ دکھائی گی، ایک میڈیکل سارٹفیکیٹ کہ وہ جسمانی طور پر پوری طرح صحت مند ہے، دوسرا سارٹفیکیٹ ایک سرکاری لائسنس کی طرح ہے جو لڑکی کو دھندا کرنے کے لئے تصدیق نامے کے طور پر دیا جاتا ہے، مجھے یہ جان کر تعجب ہوا کی ''تھائی لینڈ'' حکومت نے یہ انتظام اپنی معاشی حالت کے لیے بنایا ہے اور وہ چاہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ سیاح بنکاک آئیں'' (۴۱)

حکومت جان و مال عزت و آبرو کی محافظ ہوتی ہے، لیکن عالمی نقشہ پر ”بنکاک“ ایسا ملک ہے جو اپنے عوام کی عورتوں کی عصمت بیچ کر اپنی معیشت کو مضبوط کرتی ہے، ترقی کرنے کا یہ راستہ کتنا گھناؤنا اور خراب ہے، ایسے معاشرے میں نہ تو عورت کی کوئی عزت ہوسکتی ہے، نہ نسل کی تمیز، نہ معاشرہ پاک ہوسکتا ہے، نہ میاں بیوی میں اخوت محبت پیدا ہوسکتی ہے، پھر ایسے معاشرہ اور ایسے لوگوں کو ہم ترقی پسند کیسے کہہ سکتے ہیں؟

عالمی نقشے پر جتنے بھی مماک ہیں، جیسے امریکہ، اسپین، ایران، البانیہ، افریقہ، افغانستان، اٹلی، برطانیہ، برما، برازیل، بھارت، پناما، پیرو، پرتگال، تیونس، ٹرانسوال، جاپان، چین، زنجبار، سریا، سری لنکا، عراق، فرانس، فلپائن، کوریا، کیوبا، گوائے مالا، متحدہ عرب امارات، مصر، وینزوئیلا، وغیرہم سب کے سب یوروپ و امریکہ کے شیدائی نظر آتے ہیں، کہیں یوروپ و امریکہ کی تہذیب کی تقلید ہوتی ہے تو کہیں معاشرت کی، کہیں لباس و مکان کی نقل ہوتی ہے تو کہیں کھانے پینے کی، کہیں تعلیمی معیار کی راہ اپنائی جاتی ہے تو کہیں آزادئ خیال کو، کہیں انداز و ادا کو تو کہیں بننے ٹھنے کو، کہیں بوس و کنار کو تو کہیں خلط ملط ہونے کو، بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ ہم مشرقی لوگ اپنے دشمنوں اور سفلی خیالات کے لوگوں کو نہیں پہچان سکے، جن کے یہاں عورتوں کی کوئی قدر نہیں ہے، مسلمان خواتین کو ورغلاتے رہتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کا کوئی مقام نہیں ہے، جبکہ عورتوں کو اصل مقام اور عزت اسلام نے ہی دی ہے، بچیوں کو زندہ درگور ہونے اور بیواؤں کو ستی ہونے سے بچایا، نوجوان لڑکیوں اور دوشیزاؤں کو طوائف خانے سے نکالا، عورتوں کو باپ اور شوہر دونوں کی جائداد میں وارث بنایا، گھر کی زینت کہہ کر پردے میں رکھنے اور رہنے کی تاکید کی، بیٹی کو باعث برکت اور بیوی کو گھر کی ملکہ کہا، ماں کے قدموں کے نیچے جنت کا پتا دیا، اس کے باوجود اسلام کو ترچھی نگاہ سے دیکھنے کا معمہ سمجھ میں نہیں آیا؟

چین کا معاشرہ

چینی حکومت نے اپنے ملک کے لوگوں کو نعرہ دیا ہے ”ہم دو ہمارے ایک“ یہ صرف نعرہ ہی نہیں ہے بلکہ عملی طور پر اس پر عمل بھی کرنا ہے، نعرہ کے خلاف کرنے والوں کو جرمانے دینے پڑتے اور سزائیں بھگتنی پڑتی ہیں، اس نعرہ سے وہاں کی شادی شدہ عورتیں اور مردوں کی پہلی تمنا بیٹا پیدا

کرنے کی ہوتی ہے، لہذا حاملہ عورتیں سونو گرافی کے ذریعہ سے حمل کا حال معلوم کرتی ہیں، اگر حمل میں بیٹا ہے تو ٹھیک ہے، اگر بیٹی ہے حمل ضائع کروا دیتی ہیں، اس بنا پر چین میں بیٹیوں کا ماں کے پیٹ میں بڑی تعداد میں قتل ہو رہا ہے، لڑکیوں کی شدید قلت کی بنا پر وہاں کے لوگ دوسرے ممالک میں جا کر اپنے بیٹوں کے لیے بہوویں تلاش کرتے ہیں، لیکن یہ کب تک ہوتا رہے گا، اہل ثروت دوسرے ممالک میں جا کر بیٹا کی شادی کرلیں گے، غریب لوگ کہا جائیں گے؟

عالمی معاشرے میں متعدد قسم کی وحشت ناکیاں پھیلی ہوئی ہیں، آزاد خیالی کی وحشت ناکی، ناجائز تعلقات کی وحشت ناکی، بیٹیوں کے قتل کی وحشت ناکی، زنا بالجبر کی وحشت ناکی، قتل وغارت گیری کی وحشت ناکی، لوٹ مار کی وحشت ناکی، آبرو ریزی کی وحشت ناکی، لڑکیوں کو بھگا لے جانے کی وحشت ناکی، ان ساری وحشت ناکیوں نے مل کر عالمی برادری کے معاشرے کو تباہ کر دیا ہے۔

برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ میں جبری شادیاں

جبری شادی کے پیچھے ماں باپ بھائی بہن اور ایجنٹ کا اہم رول ہوتا ہے، کچھ والدین دولت کی ہوس میں، کچھ بیٹی کو وبال سمجھ کر بے جوڑ اور جبری شادی کرتے ہیں، بے جوڑ شادی کا مطلب ہے کہ لڑکا ۳۵ سال کا اور لڑکی ۲۰ سال کی ہوتی ہے، لڑکی خوبصورت تو لڑکا کالا، لڑکی دبلی پتلی اس کے سامنے لڑکا پہاڑ ہوتا ہے، لڑکیاں ایسے لڑکوں کو پسند نہیں کرتی ہیں، لیکن ان کے والدین ۳۵ رسال کے پختہ مرد یا کالے کلوٹے اور پہاڑ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں تو ان کے سامنے عمر، حسن اور وزن کی کوئی وقعت نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ لڑکے کی دولت، خوشحالی اور مالی پوزیشن کو مدنظر رکھتے ہیں کہ بیٹی عیش کرے گی یا اسی بہانے سے اس کی شادی ہو جائے گی، اس بے جوڑ کی شادی پر دونوں غصہ، عداوت، حقارت اور نفرت کی آگ میں جلنے لگتے ہیں، نتیجہ کے طور پر دونوں میں سے کوئی ایک خودکشی کے شکار ہوتے یا گھر چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتے یا زہر کھا کر جان دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، لڑکیوں کے ساتھ ظلم و جبر کی داستان کے برعکس لڑکوں کے ساتھ بھی جبر تشدد کے واقعات ہوتے ہیں کہ کم عمر لڑکے کو اس کی عمر سے زیادہ عمر والی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے، اس کے لئے ایجنٹوں اور بدمعاشوں کا سہارا لیا جاتا ہے، بے ڈھب لڑکیوں کی

شادی نہ ہونے کی صورت میں حسین خوبصورت اور مالدار لڑکوں کا اغوا کیا جاتا اور اغوا کر کے شادی کی جاتی ہے، جبری شادی میں جبر وزور، دھونس ودھمکی اور لالچ بھی شامل ہوتی ہے، بے جوڑ شادی میں ایک ہی جانب جبر نہیں ہوتا ہے بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہوتا ہے۔

برطانیہ، اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں ایسی بے جوڑ شادیاں کثرت سے ہوتی اور ناکام ہوتی ہیں، لہذا اسکاٹ لینڈ کی حکومت نے اسکاٹ لینڈ میں جبری شادی کو مجرمانہ عمل قرار دیتے ہوئے ایسا کرانے والے خواہ والدین ہوں یا عزیز واقارب یا سرپرست ہوں یا ایجنٹ، حکومت تک خبر پہنچے پر ان کو دو سال تک کی سزا ہو سکتی ہے، ان پر جنسی جرائم، اغوا اور حبس بے جا کا قانون کا مقدمہ بھی نافذ کیا جا سکتا ہے ایسا اس لئے کیا گیا ہے وہاں پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے، وہاں ۷۹ رفیصد شادیاں معاوضہ لے کر بے جوڑ شادیاں کرائی جاتی ہیں جن میں والدین یا خویش واقارب کے مفادات بھی شامل ہوتے ہیں، ۲۱ رفیصد شادی خالصتاً جبری شادی ہوتی ہیں، اس جبری شادی میں عورتوں کا تناسب ۶۲ رفیصد اور مردوں کا تناسب ۳۸ رفیصد ہوتا ہے یا تھا، مطلب یہ ہوا کہ ۶۲ رفیصد عورتوں پر جبر و ستم ہوتا ہے تو ۳۸ رفیصد مرد بھی جبر وظلم کے پنجے میں گرفتار ہیں، برطانیہ میں مقیم ہندوستانی، پاکستانی یا دوسرے ایشائی ملکوں کے باشندے بھی اس مرض میں گرفتار ہیں۔

مراکش کا معاشرہ

نومبر ۲۰۱۱ء کے الیکشن میں مراکش میں اسلام پسند سیاسی جماعت ''جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ' کامیاب ہو کر اپنی حکومت بنالی، اس سیاسی جماعت میں شامل سیاست داں مسلمان ہی ہیں، اسلام پسند جماعت ہے جس کا سیدھا سادھا مطلب یہی ہوا کہ ہم اسلام کو پسند کرتے اور اسلام کے منافی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، اسلامی قوانین نافذ کریں گے، اسلامی قوانین کو ترجیح دیں گے، لیکن اس جماعت نے کامیابی کے بعد اعلان کیا:

> ''رباط: مراکش کے پارلیمانی انتخابات کے بعد ایوان میں اکثریتی جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آنے والی اسلام پسند جماعت ''جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ'' نے ملکی اور غیر ملکی حلقوں کو ملک میں حکومت سازی کے بعد اپنی پالیسیوں سے مطمئن کرنے کی پوری کوشش جاری رکھی ہوئی ہے،

جماعت کا کہنا ہے کہ وہ ملک میں نہ شراب خانوں پر پابندی لگائے گی نہ ہی خواتین پر حجاب مسلط کرے گی، اس کا اصل ہدف ملک میں بے روزگاری کو دور اور تعلیم کو عام کرنا ہے جس پر اس کی ساری توجہ مذکوز رہے گی، ذرائع کے مطابق مراکشی اسلام پسند جماعت کی قیادت نے مقامی میڈیا کے ذریعہ اپنی پالیسی کے بارے میں مسلسل آگاہی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، جمعہ کے روز پارلیمانی انتخابات میں جماعت کی شان دار انتخابی کامیابی کے فوراً بعد ہی جسٹس پارٹی کی قیادت نے میڈیا کے ذریعہ یہ بتانا شروع کر دیا تھا کہ اگر اس نے حکومت بنائی تو وہ شہری آزادیوں کے بارے میں کونسا راستہ اختیار کرے گی، جماعت کی مرکزی قیادت نے کئی مواقع پر واضح کیا ہے کہ ملک میں روزگار، تعلیم اور صحت جیسے مسائل ان کی اولین ہو گی، وہ شخصی آزادیوں میں دخل اندازی نہیں کریں گے، کسی خاتون کو حجاب اوڑھنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ملک میں موجود شراب خانوں پر کسی قسم کی پابندی ہوگی، مراکشی میڈیا کے مطابق اسلامی جماعت کی جانب سے ایوان میں کامیابی کے بعد غیر اسلامی طور طریقوں کے بارے میں چلن بدلنے کا اعلان کافی حد تک غیر متوقع بھی ہے'' (۴۲)

اسی کا نام سیاست ہے اور سیاسی بازی گری، اگر شراب ہی بیچنا اور بیچوانا تھا، عورتوں کو کھلونا ہی بنانا تھا، غیر اسلامی ریت رواج کو ہی عام کرنا تھا، حجاب سے عورتوں کے سروں کو ننگا اور مردوں کے چہرے سے ڈاڑھی کو اتروانا تھا تو پارٹی کا نام ''اسلام پسند جماعت'' رکھنے، اسلام کے نام پر دھوکہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اصل بات ہے کہ یہ سیاست داں حضرات کی زبان پر اسلام ہوتا ہے مگر یہ حقیقت میں یوروپ وامریکہ کے مقلد ہوتے ہیں، کیا ان کو نہیں معلوم ہے کہ اسلام نے شراب کو امّ الخبائث کہا ہے اور اسلام میں شراب بیچنا اور پینا حرام ہے، اسلام میں حکام کی کیا اہمیت ہے؟ شخصی آزادی میں اسلام کی منافی باتیں پائی جاتی ہیں تو حاکم وقت اس کو روکے، آزادی میں آوارگی اور بے حیائی کو اسلام برداشت نہیں کرتا ہے، کہنے کو یہ ''اسلام پسند جماعت'' ہے، مگر اسلامی قوانین

کا نفاذ نہیں کرتی بلکہ اسلام کے منافی قوانین بناتی ہے، ذیل کی رپورٹ پر ایک نظر ڈالئے:

"رباط (ایجنسیاں) مراکش کی راجدھانی رباط میں حقوق نسواں کے لئے سرگرم سینکڑوں کارکنوں نے مظاہرہ کیا، یہ مظاہرہ ملک میں جنسی زیادتی سے متعلق اس قانون کے خلاف کیا گیا، جس کے مطابق جنسی زیادتی کرنے والا شخص سزا سے بچنے کے لئے زیادتی کا شکار عورت کے ساتھ شادی کرسکتا ہے۔

یہ مظاہرہ انٹرنیٹ پر ایک خبر کے بعد کیا گیا جس کے مطابق شمالی مراکش میں ایک 16 سالہ لڑکی آمنہ فیلالی نے خودکشی کرلی، مظاہرین نے اس قانون کے خلاف نعرے بلند کئے، ان کا کہنا تھا کہ اس قانون نے آمنہ کو قتل کیا، آمنہ کے والدین کا کہنا ہے کہ اس پر عدالت کی جانب سے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے شخص سے شادی کرلے، آمنہ کا کہنا تھا کہ اس کے شوہر اور اس کے کنبہ نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی ہے، اس کے بعد آمنہ نے چوہے مار گولیاں کھا کر خودکشی کرلی۔

مراکش کے قانون میں 8 سال قبل ترمیم کی گئی تھی تاکہ عورتوں کے لئے صورتِ حال بہتر بنایا جاسکے کہ اس ضمن میں اب بھی بہت کچھ کیا جانا باقی ہے، مراکش میں قانونی شادی کیلئے عمر 18 برس ہے، تاہم مخصوص حالات میں اسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے، آمنہ کے معاملہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا، ایک جج صرف اسی صورت میں شادی کی صلاح دے سکتا ہے جب فریقین اس کے لئے راضی ہوں، تاہم انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ اکثر والدین بدنامی سے بچنے کے لئے دباؤ میں آکر فیصلہ کرجاتے ہیں، آمنہ کے والد کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے اپنی بیٹی کی عصمت دری کا مقدمہ دائر کیا تو عدالتی حکام نے انہیں اس کی شادی کروادینے کی صلاح دی، انسانی حقوق کے کارکنوں کا مطالبہ ہے کہ آمنہ سے زیادتی کرنیوالے شخص اور اسے شادی کے لئے کہنے والے جج دونوں کو جیل بھیجا جائے"۔ (۴۳)

''اسلام پسند جماعت'' سے پوچھئے کہ زنا کرنے والے کی سزا اسلام نے کیا مقرر کی ہے؟ اگر وہ لوگ اسلامی قوانین سے واقف ہیں تو کہیں گے، حد یا سنگسار، تو پھر آپ نے یہ قانون کیسے بنا دیا کہ زنا کی شکار لڑکیاں زانی سے شادی کرلے؟ کیا یہ زنا کی شکار لڑکیوں کا مداوا ہوگیا اور زانی کے سر سے سزا اتر گئی؟ خود ساختہ قانون میں امریکہ کی تقلید چھپی ہوئی ہے۔

ناروے کی حالت

عالمی نقشہ پر'' ناروے'' کا وجود ہے لیکن خطرے میں ہے، ناروے کے لوگوں کو فیشن نے مار دیا ہے، ہندوستان میں بڑھتی آبادی کے تحت بہت پہلے حکومت نے نعرہ دیا'' ہم دو اور ہمارے دو'' چین نے کہا'' ہم دو ہمارے ایک'' ناروے کے لوگوں نے من مانا کیا خود سے نعرہ بنایا اور خود ہی عمل کیا'' ہم دو ہمارے کچھ بھی نہیں'' ایسے عمل کا نتیجہ اب لوگوں کے سامنے ہے کہ'' ناروے'' کی آبادی بہت کم ہوگئی ہے، وہاں بچوں سے زیادہ بوڑھے نظر آتے ہیں، اگر یہی حالت ربع صدی تک قائم رہی تو عالمی نقشہ سے ناروے کا وجود ختم ہوجائے گا، لہذا جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے کہ تحت اب وہاں کی حکومت کی آنکھ کھلی ہے اور اعلان کیا ہے کہ جو جوڑے بچے پیدا کریں گے ان کو انعام اور دیگر سہولتیں دی جائیں گی، لیجئے رپورٹ پڑھئے:

> ''**ناروے** میں آبادی بہت کم ہے، بچے کم اور بوڑھے زیادہ ہوگئے ہیں، لہذا حکومت آبادی بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کررہی ہے، ناروے کے نئے قانون کے تحت جس کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ماں کو چار ماہ کی چھٹی اور سرکار کی طرف سے انعام، باپ کو ساڑھے تین ماہ کی چھٹی اور بھرپور تنخواہ، دیکھنا یہ ہے کہ اس لالچ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کتنے جوڑے بچے پیدا کرتے ہیں'' (۴۴)

اگر یوروپ و امریکہ میں ناجائز بچوں کے قبول کرنے کی وبا ختم ہوجائے تو وہاں کی بھی وہی حالت ہوگی، جو ناروے کی ہے، ناروے حکومت نے سرد آہ بھرنے کے بعد جو اعلان کیا ہے اس پر کتنا عمل ہوتا ہے یہ مستقبل ہی بتائے گا۔

احوال پاکستان ہے

گذشتہ صفحات پر لکھا جا چکا ہے کہ یوروپ وامریکہ کی تقلید میں پوری دنیا لگی ہوئی ہے، مسلمان ومسلمانی اور اسلامی ممالک صرف کہنے کی حد تک کہتے ہیں کہ اسلام کا نظام اور نظام معاشرت سب سے عمدہ ہے، بات سچ کہتے ہیں لیکن عملی طور پر اپناتے نہیں ہیں بلکہ یوروپ وامریکہ کی تقلید میں آدھے تیتر آدھے بٹیر بنے ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمانی اور اسلامی ممالک میں بھی برائیاں عام ہوتی جارہی ہیں ان کے اپنے قوانین ہوتے ہوئے، دوسروں کے قوانین پر عمل کرتے ہیں، نتیجہ میں مسلمانوں کا خسارا ہی خسارا، اور نقصان ہی نقصان ہوتا، اور معاشرہ بگڑتا چلا جاتا ہے، لیجئے احوالِ پاکستان ملاحظہ فرمایئے:

"پاکستان اسلام اور مسلمان کے نام پر منصۂ شہود پر آیا، بڑے بڑے ترم خان اسلام زندہ باد کے نعرے لگا کر صدارت اور وزارتوں کی کرسی پر براجمان ہوئے مگر ان میں سے کسی نے وہ کام نہ کیا جس فکر ونظر کے ساتھ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔

کفر وباطل کی پناہ گاہ اور شبِ دیجور کی وادی سے نکلنے والے مسلمانوں کو بڑی امیدیں بندھی تھیں کہ پاکستان میں ہر طرح کا امن وامان ہوگا، اس اسلامی مملکت میں عورتوں کی عفت وعصمت ہر طرح کے خطرے سے باہر ہوگی، عزت وشرافت تازہ دم ہوکر پھر اپنی ایک نئی شان سے ابھرے گی اور خالص اسلامی معاشرے کی چکا چوندھ لوگوں کے دلوں کو خیرہ کردے گی۔

یہاں سے ہونے والی دین اسلام اور حق وصداقت کی نشر واشاعت لوگوں کے بربط دل پر اپنا نقش ضرور جمائے گی اور دنیا کو ہمارے کردار وعمل اور پاکیزگی وشرافت پر رشک ہوگی، مگر افسوس کہ ابھی تک ایسا نہیں ہوسکا۔

اسلام وشریعت سے ہٹ کر جو کچھ ہورہا ہے اسے دیکھ کر ایک محبّ وطن رقمطراز ہے:

پاکستان۔ مسلمان حکام اور عوام کا ملک ہے...... ہر جانے والی حکومت کو اسلام کی دہائی دے کر رخصت کیا جاتا ہے.... ہر آنے والی حکومت کا استقبال...... اسلام زندہ باد کے نعرے سے کیا جاتا ہے...... لیکن عملی طور پر

احوال مختلف ہیں ......لکھتے ہوئے دل دکھتا ہے...... مگر کیا کروں؟....آپ کو اس درد میں شریک کرتا ہوں خدا جانے کس کی آواز اُوپر پہنچ جائے.....اور اصلاحِ احوال کی صورت نکل آئے...... پاکستان کی قومی ایئر لائنس پی آئی آے نے پہلے ہی اسلام کے طے شدہ اصولوں کی مکمل نفی کرتے ہوئے...... اجنبی مسافروں کی خدمت نوجوان مسلمان بہنوں کے سر کر رکھی تھی......اور اس سے بڑھ کر ان فضائی میزبانوں کو ملازمت کے ابتدائی پانچ سالوں تک نکاح کی ممانعت تھی ......مگر اب کچھ ماہ قبل حالات نے ایک اور رخ اختیار کیا ہے......با قاعدہ احکامات کے تحت فضائی میزبانی پر ماموران نوجوان مسلمان بہنوں کو اپنی ملازمت کے ابتدائی دو سالوں تک نکاح سے اور اس کے تین سال تک بچہ پیدا کرنے سے روک دیا گیا ہے......کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ ہزاروں میل کے سفر پر، مسلسل اجنبی مسافروں کے درمیان رہنے والی مسلمان بہن کی عصمت کے فطری محافظ حضور اکرم ﷺ کی واضح تعلیمات کے با وجود......یہ قدغن لگا کر، حرام کاری کا جبری راستہ کھولا جا رہا ہے" (۴۵)

بگڑے ہوئے لوگ ہر جگہ ہیں، لیکن بگڑنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے، باادب اور غیرت مند انسان اپنے بڑے بزرگوں، سماج، معاشرے اور حکومت سے ڈرتا ہے، لیکن پاکستان مسلمانوں کا ملک ہوتے ہوئے بھی وہاں عجیب و غریب واقعات ہوتے ہیں، جس کی خبر شاید حکومت کو بھی نہیں ہوتی ہے، عجیب و غریب واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک شادی میں عورت و مرد ڈانس کرنے میں محو تھے، اس محویت اور ترنگ کو دیکھ کر ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو بھی ناچ! عورت ناچنے سے انکار کر دیتی ہے، مرد کو غصہ آجاتا ہے اور اپنی بیوی کے ناک اور ہونٹ کاٹ دیتا ہے، یہ ہے مسلمانوں کے معاشرے کی حالت کہ بیوی ڈانس نہیں کرتی تو یوروپی تقلید کے مقلد کو غصہ آجاتا ہے اور وہ بیوی کے ساتھ وہ سلوک کرتا ہے جو سلوک دشمنوں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا ہے، بہرحال پاکستانی معاشرے پر یوروپی معاشرے کا رنگ گہرا ہے۔

پاکستان کے معاشرہ پر یوروپی معاشرے کا اثر

یہ ہے اسلام کے نام پر جینے ،اسلامی حکومت قائم کرنے ،اسلامی قوانین پر عمل کرنے اور مسلمانوں کو بچانے کے نام پر پاکستان قائم کرنے والی حکومت کی من مانی اور یوروپ وامریکہ کے تقلیدانہ قوانین کی شعاعیں ،جن میں اسلام وقرآن سے ہٹ کر نئی تپش ،نئی جھلکی اور نئی گرمی ہے کہ ایئر ہوسٹسوں ملازمت کے دوسالوں تک شادی اور اس کے بعد مزید تین سالوں تک اولاد پیدا نہ کرو، وجہ صاف ہے اس پر تبصرے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، تاکہ مغربی تہذیب کا عنصر تمہارے اندر داخل ہو جائے اور ہو گیا ہے، ایئر ہوسٹسوں کو شادی اور بچے پیدا کرنے سے روک دیا گیا، مگر مغربی تہذیب کے زیرِ اثر دھینگا مستی کرتی ہوئیں ان لڑکیوں کو کنٹرول نہ کر سکی جو شادی سے قبل حرام کاری کے ذریعہ سے بچے پیدا کر کے ماں بن جاتی ہیں اور سماج کی نظروں سے اپنے گناہوں کو چھپانے کی غرض سے بچوں کو قتل کر دیتی یا گلی کوچوں میں پھینک دیتی ہیں، اس سلسلہ میں ''ایدھی ٹرسٹ'' کی ایک رپورٹ یہ ہے:

> ''ایدھی ٹرسٹ کے بانی عبدالستار ایدھی کی اہلیہ نے اطلاع دی ہے کہ پاکستان کے مختلف ایدھی سنٹروں کے ذریعہ گزشتہ ماہ ۲۴۱/نوزائیدہ بچوں کی لاشیں ملی ہیں، جنہیں دفنا دیا گیا ہے ، جب کہ گذشتہ ماہ کے دوران کراچی اور دیگر علاقوں سے ملنے والے ۳۲/زندہ نوزائیدہ بچوں اور بچیوں کو لاوارث سینٹر میں پہنچا دیا گیا ہے، بیگم ایدھی نے کہا کہ نوزائیدہ زندہ اور مردہ بچوں کی اس تعداد سے پاکستانی عوام کو اندازہ ہو جانا چاہئے کہ اس طرح سے نہ جانے کتنے معصوم نوزائیدہ بچے اپنے ناکردہ گناہوں کی وجہ سے موت کی بھینٹ چڑھا دیئے جاتے ہیں، محترمہ نے کہا کہ ایسے افراد جو اپنے گناہ کو چھپانے کے لیے ان معصوموں کو قتل کر دیتے ہیں، ان سے بار بار اپیل کی گئی ہے کہ خدارا وہ اپنے گناہ اور جرم کو چھپانے کے لیے قتل جیسے سنگین جرم کے مرتکب نہ ہوں بلکہ ان بچوں کو ہمارے سنٹر میں پہنچا دیں، انھوں نے کہا کہ اب تک ایسے چار ہزار بچے نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر کے بے اولاد پاکستانی جوڑوں کے حوالہ کئے گئے ہیں'' (۴۶)

مسلمان لڑکے اور لڑکیاں جنسیات کے معاملہ میں اسلامی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر یورپ و امریکہ کی نقل تو کر لیتے ہیں لیکن وہاں کی طرح نہ بچوں کو دودھ پلاسکتی، نہ پرورش کرسکتی ہیں، نہ اس کی انگلی تھام کر گھوما سکتی ہیں، نہ معاشرہ ایسے بچوں کو قبول کرتا ہے، لہذا یہ کنواری مائیں بچوں کو قتل کر دیتیں یا گلی کوچوں میں پھینک دیتی ہیں، بہر حال مضمون نگار مذکورہ واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''یہ اعداد وشمار صرف ایک ٹرسٹ کے ہیں ورنہ ملک میں ہزاروں نوزائید بچے گلا گھونٹ کر ختم کر دیئے جاتے ہوں گے یا گلی کوچوں کے کنارے بے یار و مددگار چھوڑ دیئے جاتے ہوں گے، اسلامی قوانین سے انحراف اور یوروپی تقلید نے محض زنا جیسے خبیث جرم پر ہی آمادہ نہیں کیا، بلکہ قتل جیسے سنگین عمل پر بھی مجبور کر دیا، یوروپی ممالک ''کنواری ماؤں'' کی تعداد بے حساب ہے لیکن اپنے ملک میں یوروپ کی تقلید پر تو فخر ہے مگر ''کنواری ماں'' بننا پسند نہیں، تقلید کرنی ہے تو پھر پوری کیجئے تا کہ پتہ چلے کہ واقعۃً آپ تہذیب یوروپ کے عاشق ہیں، ہم تو ایسی تہذیب پر لعنت بھیجتے ہوئے کہتے ہیں۔

اُٹھا کر پھینک دو ان کو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے (۴۷)

پاکستان کے تعلق سے یہ رپورٹ بھی ہے کہ زنا بالجبر کے لاتعداد واقعات سے پاکستانی معاشرہ سسک رہا ہے، ظلم وزیادتی کی حد ہے کہ منچلے نوجوان بیٹیوں کو ان کے والدین کے سامنے، بہنوں کی عفتیں ان کے بھائیوں کے روبرو، بیبیوں کی آبروئیں ان کے شوہروں کے پیشِ نظر لوٹ لیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں آوارہ سانڈوں کی کمی نہیں ہے جو اپنی مرضی سے جہاں چاہتے منہ مارتے پھرتے ہیں، علاوہ ازیں چوری چھپے ہی سہی جسم فروشی کا کاروبار بھی چل رہا ہے جہاں پولس گاہے گاہے چھاپا مار کر جسم فروش عورتوں گرفتار کرتی ہے۔

افسوس اس وقت ہوتا ہے کہ ایک مسلمانی ملک کی خبر شائع ہوتی ہے کہ ایک تقریب کے درمیان زہریلی شراب پی کر سعید..... عبدالقادر..... بابو..... محمد منشا..... محمد زبیر..... شان..... محمد شفیق..... شاہ رخ..... ثمن مسیح..... عمیر..... محمد اسلم..... بابو خیری..... رزاق لاسی..... اسلم صدیقی ہلاک ہو

گئے اور دین محمد وغیر کی آنکھوں کی بینائی چلی گی، قرآن نے شراب کوام الخبائث کہہ کر مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیدیا، پاکستان میں اس ام الخبائث کی فیکٹری بھی ہے، اور لوگ شوق سے پیتے بلکہ انگریزوں کی طرح شادی بیاہ کی تقریب میں کھلے عام پیتے اور مرتے ہیں۔

پاکستان میں شراب کی فیکٹری کا وجود حکومت کی منشاپر ہی ہوگا، اگر حکومت کی منشا شامل نہیں ہوتی تو شراب کی فیکٹری کیسے قائم ہوتی، بغیر لائسنس کے کوئی فیکٹری قائم نہیں ہوتی ہے، چونکہ ناجائز وحرام کام بظاہر مالی طور پر زیادہ سودمند ہے، اس لئے حکومتیں شراب کی فیکٹری اور بیئر بار کے لئے لائسنس دیتی ہے، جن پر زیادہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، جو حکومت کے خزانے کو پُر کرتا ہے۔

پہلے لکھا جاچکا ہے کہ پاکستان میں یوروپی تہذیب کا دوردورہ ہے، یوروپی کلچر شباب پر ہے، کہنے کے لیے یہ مسلمانوں کا ملک ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ وطالبات پوری طرح انگریز بن کر پڑھنے جاتے ہیں، جن کے لباس میں اس قدر عریانیت ہوتی ہے کہ باحیا لوگوں کو جب برداشت نہیں ہوتا ہے تو وہ اسکولوں میں گھس کر لڑکیوں کی پٹائی کرتے ہیں، حال ہی میں ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کی سرخی یہ ہے:

پاکستان: نازیبا کپڑے پہننے پر طالبات کو پیٹا

”اسلام آباد (پی ٹی آئی) پاکستان کے راولپنڈی میں ایک گرلس اسکول میں نقاب پوش ۶۰ر افراد گھس گئے اور طالبات اور خاتون ٹیچروں کو مناسب طریقے سے کپڑا نہیں پہننے کے سبب پیٹا، یہ اطلاع میڈیا کی خبروں میں دی گئی ہے، مظاہرین نے بتایا کہ جمعہ کو حملہ کرنے والے لوگوں نے ایم سی ماڈل گرلس ہائی اسکول کی ٹیچروں اور طالبات کو ٹھیک ڈھنگ سے پوشاک اور حجاب پہننے کے لیے کہا ورنہ نتائج بھگتنے کی وارننگ دی، اخبار ”ایکسپریس ٹریبیون“ نے لکھا ہے کہ حملے کے بعد علاقے میں افراتفری مچ گئی اور کل چارسو میں سے صرف پچیس طالبات ہی اسکول آئیں، اسکول میں ۳۰ر خاتون ٹیچرس ہیں، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس علاقہ میں واقع دوسرے تعلیمی اداروں میں بھی حاضری کم دیکھی گئی، ضلع انتظامیہ کے ایک افسر نے اخبار کو بتایا کہ حملے کے بعد راولپنڈی میں سبھی اسکولوں کو بند کر دیا گیا“ (۴۸)

پاکستان میں عریانیت وفحاشی کا مرض پرانا ہے، اس مرض کو دفع کرنے کی غرض سے

اسلامی قوانین کا نفاذ کرنا بہت ہی مشکل ہے، لوگ جس بات کے عادی ہو چکے ہیں، ان عادات کو اب توڑنا، اسلامی راستے پر گامزن کرنا، عورتوں کو باپردہ بنانا، نیم عریاں لباس سے ان کو دفتروں، کلبوں، شاہراہوں، بازاروں سے روکنا آسان نہیں ہے، شروع میں یعنی پاکستان کے وجود میں آتے کہ ساتھ یہ کام ہوتا تو کامیابی ہو جاتی، عریانیت فحاشی کے متعلق ۱۹۷۱ء کی ایک رپورٹ ملاحظہ کیجئے:

''پاکستان، جسے مملکت اسلامیہ ہونے کا دعویٰ ہے، وہاں مردوں اور عورتوں کا بے دریغ اختلاط، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم، عورتوں کا ان دفتروں میں ملازمت کرنا جہاں مرد ہوتے ہیں، ایسے اجتماعات اور مذاکروں میں شرکت کرنا، عام بازاروں اور شاہراہوں پر ننگے سر، چست لباس پہنے، نیم عریاں ہو کر گھومنا پھرنا ایک بہت بڑا المیہ ہے، اور ہمارا طرزِ عمل اسلام کی تہذیب و ثقافت پر ناروا زیادتی بلکہ اسے مسخ کرنے کے مترادف ہے'' (۴۹)

جدید ذہن اور معاشرہ کے لوگ اپنے آپ کو مہذب کہتے ہوئے نہیں تھکتے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، پوری دنیا میں رونما ہو رہے حالات اس کی زندہ مثال ہیں کہ ستم رانیوں کے ہاتھوں عصمت گوہر ستم ہائے زمانہ سے تاراج ہو رہا ہے، جاہلیت میں عصمت کے ساتھ یہ ہی کھیل کھیلا جا رہا تھا، عورتوں کی اس حالتِ زار پر پیغمبر اسلام حضور سرور کائنات ﷺ کا دل تڑپ اٹھا، عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر ایک جامع منصوبہ مرتب فرما کر اپنی اصلاحی سرگرمیوں کو تیز کر دیا، گناہوں اور بدکاریوں میں ڈوبی ہوئی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا، اے لوگو جوہر عصمت وہ قیمتی شے ہے جو دنیا کے تمام خزینوں پر سبقت لیے ہوا ہے، اس مؤثر اور دل پذیر گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ کل تک جو ہوس رانیوں کے لیے مشہور تھے اور اپنے گھر کی عزت بھی نہیں بچا پاتے تھے، اب وہی قوم دوسروں کی عفت کی محافظت کے لیے سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر آئی، دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کے کردار و عمل کا شہرہ ہر جانب پھیل گیا، مسلمانوں کا مثبت عمل دیکھ کر یہود و نصاریٰ جب کبھی سفر پر جاتے تو اپنی بہوؤں، بیٹیوں اور بیویوں کو اپنے ہم مذہب کی دیکھ ریکھ کے بجائے مسلمانوں کی دیکھ ریکھ میں رکھ جاتے تھے کہ ہماری عزت یہاں محفوظ رہے گی۔

کاش! آج کے مسلمانوں کا کردار و عمل ویسا ہی ہو جاتا تو ذلت و رسوائی کے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے جو ہمارے معاشرے میں رونما ہو رہا ہے، آج مسلمان خواتین کی عصمت تو اپنے ہم

مذہب کے ہاتھوں تاراج ہو رہی ہے، ایک صاحب نے بتایا کہ میں اپنے ایک دوست کی شادی میں گیا تھا، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ جس لڑکی سے اس نے شادی کی ہے اس لڑکی کی طویل کہانی ہے، کہنے لگے کہانی یہ کہ جس لڑکی سے اس نے شادی کی ہے، وہ لڑکی سعودی عرب میں کام کرنے کے لیے گئی ، وہاں جا کر ایک عرب سے شادی کرلیا، وہاں سے جب ہندوستان آئی تو ایک لڑکے سے عشق کر بیٹھی، کچھ دنوں کے بعد ہندوستانی عاشق لڑکا سے نکاح کرلیا، لڑکا کافی مقروض تھا، قرض والوں نے دونوں کو جمع کیا، دونوں کو مارنے پیٹنے کی دھمکی دینے لگے، لڑکا کا ماموں زبردست تھا اس نے کہا ان دونوں کو جو ہاتھ لگائے گا اس کی خیر نہیں ہے، اور دونوں کو اپنے گھر لے گئے، کچھ دنوں کے بعد لڑکے (اپنے بھانجے سے) سے کہا دشمن لگے ہوئے ہیں کچھ دنوں کے لئے تم گاؤں چلے جاؤ، لڑکا گاؤں چلا گیا، لڑکا کو گاؤں بھیجنے کے بعد اس کی بیوی سے اس کے ماموں نے شادی کرلی ہے، اسی شادی میں گیا تھا، غور کیجئے کہ لڑکی کا نکاح ایک عرب سے ہوا، اس سے نکاح برقرار رہتے ہوئے، دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، اول تو یہ نکاح جائز نہیں کہ تیسرے مرد نے اپنے نکاح میں لے لیا، اس سے بھی عورت کا نکاح جائز نہیں، ان دونوں مردوں کے ساتھ جتنے دنوں تک رہی یا ہے، زنا ہی زنا ہے۔

ہمارے معاشرے میں ایسے بہت سارے کھیل ہوتے ہیں بلکہ کچھ ایسے ناخلف اور بدبخت بھی موجود ہیں جو اپنے گھر کی بہو اور بیٹیوں کی عزت پر دست درازی کرتے ہیں، ایسے میں ہم پر دوسری قومیں کیسے اعتبار کریں گی؟ آج کا مسلمان ذلتوں اور رسوائیوں اور پریشانیوں سے دوچار ہو رہا ہے، حق کی صدا باز گشت بن کران ہوس پرستوں کی سماعتوں سے ٹکراتی ہے مگر حال یہ ہے کہ ہماری قوم اس صدائے حق کو لایعنی سمجھتی ہے، عمل کی راہ پر چلنے کو کوئی تیار نہیں ہے، نفس کی چمکتی بھوک مٹانے کی خاطر برے افعال میں ملوث ہے، آج کی نوجوان نسل مذہب سے دور ہوتی جارہی ہے، بدعملی اور بدکرداری کی ایک شدید لہر ان کے ذہنوں میں پرورش پا رہی ہے، اس قسم کا انتشار د افتراق پھیلانے میں جدید ذہنیت کا ایک خاصا رول رہا ہے جو جنسی تلذذ، مخرب اخلاق طرز فکر کے ساتھ معاشرے پر چھا رہی ہے، تخریب کاری کی یہ جنوں خیزی کس سرحد پر دم لے گی؟ انسانی طرز عمل پر زندگی گذارنا کس قدر دشوار ہو گیا ہے، اس کا اندازہ ہر صاحبِ بصیرت کو ہے۔

زمانہ جاہلیت اور دورِ جدید کی یکسانیت

جہل و بے خبری کی تاریکیوں میں بھٹکتے ہوئے انسان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ایسا لگتا ہے وہ لوگ عقل وشعور سے نابلد اور فہم و فراست کی دولت سے عاری ہو چکے تھے، بوالہوسی کی خرمستیوں کی زد میں آ کر لوگ اس قدر بے حیا بن چکے تھے کہ ببانگ دہل ارباب نشاط کی محفلیں سجاتے اور عیش و عشرت کے مزے لوٹتے تھے۔ زنا جیسے قبیح فعل سے ذرا بھی جھجک اور شرم محسوس نہیں کرتے، مالدار اور طاقتور قبیلوں کے الگ الگ قحبہ خانے تھے، گاہکوں کی دلجوئی کے لئے ہر قبیلہ نوخیز اور نوعمر لونڈیوں کے انتظام واہتمام میں پیش پیش رہتا، قرآن پاک نے ایسی حیاسوز برائیوں پر اس طرح سے قدغن لگایا:

"وَلَاتُكْرِهُوْفَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ" (۵۰)

ترجمہ! اور مجبور نہ کرو اپنی کنیزوں کو بدکاری پر جبکہ وہ بچنا چاہیں۔

"شان نزول: یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کے حق میں نازل ہوئی جو مال حاصل کرنے کے لیے اپنی کنیزوں کو بدکاری پر مجبور کرتا تھا، ان کنیزوں نے سید عالم ﷺ سے شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۵۱)

قرآن پاک کے اس مختصر کلمات میں ایک جہاں پوشیدہ ہے جو معاشرے میں پھیلی برائیوں پر قدغن لگاتا ہے، آیت کے تعلق سے جامع اور تحقیق پر مبنی تفسیر ملاحظہ کیجئے:

"کفر اپنے ساتھ صرف عقیدہ کی گمراہی نہیں لاتا بلکہ اخلاقی انحطاط اور مروت کا فقدان بھی اپنے جلو میں لاتا ہے، معمولی عقل وفہم کا انسان جس کام کو کرتے ہچکچاتا ہے، جہاں کفر کی تارکی چھا جاتی ہے، وہاں بڑے بڑے حیا سوز کام کھلے بندوں کئے جاتے ہیں، بڑے بڑے رئیس کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے، عرب کے قبائل اپنی نخوت اور تکبر کی وجہ سے مشہور ہیں، لیکن کفر کی گمراہی ان کے رگ و پے میں سما گئی تھی، اس لیے ایسی گھناؤنی حرکتیں دن کے اجالے میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتیں بلکہ وہ خود ان کا ارتکاب کیا کرتے اور قطعاً نہ شرماتے۔

زمانہ جاہلیت میں لونڈیاں قحبہ گری کا پیشہ عام طور پر اختیار کر لیتی تھیں، بڑے بڑے رئیس خاندان اپنی جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو اس مقصد کے لئے استعمال کرتے تھے

انہیں مکان مہیا کئے جاتے جنہیں ''لواخیر'' کہا جاتا تھا، ہر ایک پر جھنڈا جھول رہا ہوتا اور اس لونڈی کا قحبہ خانہ اس کے مالکِ قبیلہ کے نام سے مشہور ہوتا، امام ابن جریر عطا سے نقل کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہر قبیلہ اور خاندان کی لونڈیاں ہوا کرتی تھیں، جو اس کی طرف منسوب ہوتیں، کہا جاتا ''بغی اهل فُلان و بغی اهل فُلان'' یہ فلاں قبیلہ کی رنڈی ہے، یہ فلاں قبیلہ کی رنڈی ہے، اور ان کے دروازوں پر جھنڈے گڑے ہوتے، امام جریر نے ان متعدد جھنڈے والیوں میں سے نو (۹) کے نام تک لکھے ہیں، اور ان کے قبیلہ کا ذکر بھی کیا ہے، نہ یہ بات معیوب تھی نہ ان کے پاس کسی کا آنا جانا باعث عار و بدنامی تھا۔

ان کے علاوہ متعدد دوسری عورتیں بھی تھیں جو یہ پیشہ کھلے بندوں کیا کرتیں، کئی لوگ ان کے ساتھ شادی کر لیتے تاکہ ان کی حرام کمائی سے عیش کریں (۵۲)

یہ مکۃ المکرّمہ کے حالات تھے، عورتوں کے ساتھ ظلم و جبر کی یہ داستان کتنی دلخراش اور بھیانک ہے، لاقانونیت کے اس دور میں عورتوں کی حیثیت بے زبان جانوروں کی مانند تھیں جو مردوں کے ناروا سلوک کے مصائب کو برداشت تو کرتیں مگر زبان سے کچھ بول نہیں سکتی تھیں، زخم پر زخم کھانے کے بعد بھی اُف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا اور اس بلا سے گلو خلاصی کی کوئی راہ دور تک نظر نہیں آ رہی تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی صرف اپنے آقا کی خوشنودی کی خاطر اپنے نفس کا سودا کرتی تھیں، زر کشی کا یہ ناپاک اور گھناؤنا کاروبار صرف مکہ تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ یثرب (مدینہ منورہ) میں بھی حرام کاری کے اڈے قائم تھے، شر و شیطنت کے اس کام میں بڑے بڑے امرا ملوث تھے اور ان کی تجوریاں انہیں حرام کمائی سے پُر رہتیں، صنف نازک کی عصمت بیچ کر کھانے والے وہ اسفل لوگ اپنے کو بڑے باوقار اور ذی جاہ سمجھتے تھے۔

سرکار رسالت مآب ﷺ اپنی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی سرزمین پر ان برائیوں کا سدباب کیا، یہاں عورتوں کے ساتھ بڑے بڑے ظلم کئے جاتے تھے، ان کو عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا تھا، اس سلسلہ کی تاریخ کے حقائق یہ ہیں:

''یثرب کے حالات بھی مکہ سے کچھ کم مختلف نہ تھے، وہاں اس کا سب سے بڑا کاروبار

کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا، جسے اوس وخزرج کے قبیلے اپنا بادشاہ مقرر کرنے والے تھے، اور جب حضورﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو اس وقت اس کے لیے سونے کا تاج سونار کے پاس تیار ہو رہا تھا، اس حیثیت کا انسان وہاں سب سے بڑا احرام کار تھا، اس نے اپنے چکلہ میں چھ نوجوان اور خوبصورت لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقررہ رقم کا کمانا ہر روز ضروری تھا اگر کوئی لونڈی مقررہ رقم پیش نہ کرتی تو اسے زدوکوب کی جاتی اور مقررہ رقم پوری کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا، یہ صاحب ان لونڈیوں سے صرف دولت ہی نہ کمایا کرتے بلکہ سیاسی فائدے بھی حاصل کرتے، عرب قبائل کا کوئی رئیس اگر یثرب آتا تو یہ اپنی ایک لونڈی معاذہ کو شب باشی کے لیے ان کے پاس بھیج دیتا تا کہ وہ ابن ابی کے کیے احسان کو ہمیشہ یاد رکھے اور ضرورت کے وقت وہ اسے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکے۔

علاوہ ابن کثیر، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے تشریح کی ہے '' کانت له جارية تدعى معاذه و كان اذاانزل به ضيف ارسلهااليه ليواقعهاارادة الثواب منه والكرامة له '' چنانچہ یہی لونڈی معاذہ ایک روز تنگ آ کر حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئی اور اپنی داستانِ غم بیان کی، آپ نے بارگاہ رسالت (ﷺ) میں اس کی گزارش پیش کر دی، حضور نے فرمایا اسے اپنے قبضے میں لے لو'' فامرہ بقبضھا'' عبداللہ بن ابی نابکار کو پتہ چلا تو اس نے بڑا شور وشغف مچایا کہ دیکھو اب (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی) ہماری لونڈیوں کو بھی اپنے قبضے میں لے رہے ہیں اس وقت یہ آیت '' وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ '' نازل ہوئی، اس طرح قانونی طور پر قحبہ گری کی قباحت اسلامی معاشرہ سے ختم کر دی گئی، جسے یوروپ میں آج بھی قانون کی پشت پناہی حاصل ہے (۵۳)

چارہ گر سے یہ توقع تھی کہ مرہم دے گا ☆ وہ تو لے آیا ہے زخموں کی دکان تک مجھ کو

آج کے دور میں ایسی مجبوری اور مرضی کی ہزاروں دوکانیں کھلی ہوئیں ہیں، اور کثرت سے مسلم قوم کے مرد وزن اس کام میں ملوث ہیں، اس تعلق سے ایسی ایسی خبریں پڑھنے اور سننے کو ملتی

ہیں کہ ان خبروں کو پڑھ کر اور سن کر شرمندگی کے ساتھ ندامت بھی ہوتی ہے، دور جدید میں عبداللہ بن ابی کی طرح بہت سارے لوگ جسم فروشی کا کاروبار کر کے دولت مند کہلاتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اسلام کی ہوا بھی نہیں لگی ہے اور لگے بھی تو کیسے! ڈبے کے دودھ پر پل کر، انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے، عید و بقر عید میں سر پر ٹوپی رکھ کر نماز پڑھ لینے والے نہ تو قرآن کو پڑھتے نہ حدیث کو نہ اسلامی مسائل کے قریب ہوتے نہ یہ دین کو اہمیت دیتے ہیں نہ مسلمانوں کو، ایسے لوگوں کو بس ایک ہی دُھن سوار رہتی ہے کہ دنیا کی دولت جیسے بھی ہاتھ آئے اس کو پکڑ لو، لے لو، اپنی تجوری میں بند کر لو، دولت آنی چاہئے، چاہے شراب بیچ کر آئے یا شباب کا دھندا کر کے، انسان اور انسانیت کے دشمن ایسے لوگوں کو اسلامی قوانین کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ اسلام کیا کہتا اور کیا بتاتا ہے، اسلام و قرآن کے احکامات کے بتانے والوں کو ایسے لوگ اپنا دشمن سمجھتے ہیں ، ایسے لوگ نہ حق سنتے ہیں، نہ حق پر آتے ہیں بلکہ حق بتانے والوں کو برا بھلا سناتے ہیں۔

لب کشائی جرم ہے اس دور میں حق نوائی جرم ہے اس دور میں
کون سنتا ہے صدائے حق یہاں بے اثر ہے ہر نوائے حق یہاں
گرم بازاری ہے ہر سو لوٹ کی ڈس رہی ہے سچ کو ناگن جھوٹ کی

نکاح کی حقیقت

نسل انسانی کی بقا کے لیے نکاح ضروری ہے، رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص باوجود استطاعت کے نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے نکاح کے ذریعہ مرد عورت کا کلی طور پر محافظ بن جاتا ہے اور عورت کی عصمت مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے، دل کے سکون و طمانیت کی اعلیٰ راہ اسلام نے متعین فرمادی ہے، جہاں کسی کا خوف و کھٹکا اور لعن و طعن کا ڈر نہیں ہے، اس کے برعکس ناجائز تعلقات سے عارضی طور پر آسودگیِ نفس تو حاصل ہو جاتی ہے مگر زندگی کا کوئی اور مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے، ایسا مرد نہ تو عورت کا محافظ بنتا ہے نہ اس کے اخراجات کا بار برداشت کرتا ہے نہ ہی اس تعلقات سے پیدا ہونے والی اولاد کو اپنی اولاد سمجھتا ہے۔

سائنس کی نئی ریسرچ نے مانع حمل جیسی ادویات و آلات ایجاد کر کے زنا جیسی برائی کو خوب پھیلنے کا موقع فراہم کیا ہے، فیملی پلاننگ یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر کنواری مائیں بھی

دھڑلّے سے اسقاط کراتی ہیں، کوئی پوچھنے اور پکڑنے والا نہیں ہے، ہمارا سماج کس قدر بے حس ہو چکا ہے کہ ساری برائیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، مگر احتجاج کے طور پر حق بولنے سے گریز بھی کر رہا ہے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سرکار رسالت مآب ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ وہی زمانہ آگیا ہے؟:

''زنا کی زیادتی ہوگی اور اس بے حیائی کے ساتھ زنا ہوگا جیسے گدھے جفتی کرتے ہیں، بڑے چھوٹے کسی کا پاس ولحاظ نہ ہوگا (۵۴)

جاہلیت کے مماثل گناہ

زمانہ جاہلیت میں کھلے عام عورتوں کا استحصال کیا جا رہا تھا، نکاح کے نام پر کھلی برائیاں ہو رہی تھیں، شوہر بیوی کو غیر مردوں کے پاس تخم حاصل کرنے کے لیے بھیجتا تھا، ایسا کرنا عرب معاشرے میں کوئی قباحت کی بات نہیں تھی بلکہ لوگوں کے یہاں نکاح کا ایک طریقہ تھا، جاہلیت کی اس برائی کو عورتوں کی مجبوری پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ وہ عورتیں اپنے مردوں کے سامنے مجبور ہوتی تھیں، جاہلیت کی یہ شکل بدل کر آج کے دور میں نئے روپ اختیار کر چکی ہے، اس برائی کا اول موجد سائنس ہے، اس برائی کو عالمی معاشرت میں پھیلانے والے مجرموں میں یوروپ وامریکہ اور ترقی یافتہ کہنے والے مما لک ہیں، دور جدید کی یہ برائی ہے ''کوکھ'' کی خرید وفروخت! عالمی معاشرت کی منڈی میں ''کوکھ'' کی خرید وفروخت کام زور وشور سے جاری ہے، کوکھ خریدنے والے مرد اپنی مجبوری یہ بتاتے ہیں کہ میری بیوی بانجھ ہے، اس کو بچے نہیں ہو سکتے، کوئی یہ کہتا ہے کہ میری بیوی کمزور ہے، بچے پیدا کرے گی تو مر جائے گی، کوئی کہتا ہے کہ عورت کی خوبصورتی کم ہو جائے گی اور جوانی اتر جائے گی، گویا مجبوری و شوق گڈمڈ ہے، حالانکہ مجبوری کچھ بھی نہیں ہے، اسلام نے ان تمام مجبوریوں کے مداوے کے راستے نکال دیئے ہیں، بہر حال ''کوکھ'' کی خرید وفروخت کی منڈی میں ''کوکھ'' کی قیمت لاکھوں میں پہنچ چکی ہے، اس منڈی میں مسلمان مرد وعورتیں بھی اتر چکی ہیں، مجبوری یا شوق کی بنا پر جو مرد جس عورت کا ''کوکھ'' خریدتا ہے، ڈاکٹر اس مرد کا مادّہ تولید لے کر انجکشن کے ذریعہ عورت کے رحم میں داخل کر دیتا ہے، پھر عورت حاملہ ہوتی بچہ جنتی ہے، مرد اس بچہ کو لے کر اپنا بچہ کہتا اور باپ کہلاتا ہے، لیکن یہ طریقہ اسلام وسماج و معاشرے کی نگاہ میں بدترین طریقہ

ہے، ایسے مرد وعورت کو ہمارا مشرقی معاشرہ اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا، نہ یہ طریقہ درست ہے، آپ نے اُوپر ملاحظہ کرلیا ہے کہ ''دورِ جاہلیت میں شوہر اپنی بیوی کو تخم حاصل کرنے کے لیے غیر مردوں کے پاس بھیجتا تھا'' اسی تخم کو حاصل کرنے کا دورِ جدید میں اس جدید طریقہ کو ''کوکھ'' خریدنے کا نام دیا گیا ہے۔

جاہلیت میں نکاح کے عجیب وغریب طریقے

دورِ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت سے کھیلنے کے لیے مختلف طریقے ایجاد کر کے اس کو نکاح کا نام دیا تھا کہ اس طرح سے بھی نکاح ہوتا ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحہ پر آپ نے پڑھا کہ غیر مرد سے تخم حاصل کرنے کو بھی نکاح کا نام دیا گیا تھا، دیگر طریقے یہ تھے:

''عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی کریم ﷺ نے خبر دی کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح کرنے کے چار طریقے تھے۔

(۱) ایک نکاح تو اسی طرح کا تھا جیسے لوگ آج بھی نکاح کرتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے کے پاس اس کی ولیہ یا بیٹی کے لئے پیغام بھیجتا، پھر مہر ادا کرتا اور اس کے ساتھ نکاح کرتا۔

(۲) دوسرا طریقۂ نکاح یہ تھا کہ جب کوئی عورت ایام سے پاک ہوتی تو خاوند اس سے کہتا کہ تم فلاں کے پاس چلی جاؤ اور اس سے فائدہ حاصل کرو، چنانچہ خاوند اپنی بیوی سے کنارہ کش ہو جاتا اور پھر اسے کبھی ہاتھ نہ لگاتا یہاں تک کہ جس آدمی سے فائدہ اٹھایا جاتا اس کا حمل ظاہر نہ ہو جائے، جب اس کا حمل ظاہر ہو جاتا تو خاوند اپنی بیوی کے پاس آجاتا، جب وہ چاہتا اور ایسا اچھا بچہ حاصل کرنے کی آرزو میں کیا جاتا تھا، اس کو وہ لوگ نکاح استبضاع کہتے تھے۔

(۳) نکاح کی تیسری قسم یہ تھی کہ دس سے کم افراد اکٹھے ہو کر کسی عورت کے پاس جاتے اور سارے اس کے ساتھ صحبت کرتے، جب وہ حاملہ ہو کر بچہ جنتی اور بچے کو پیدا ہوئے چند روز گزر جاتے تو وہ ان سب کو پیغام بھیجتی، پس ان میں سے کوئی شخص آنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا، یہاں تک کہ وہ اس کے پاس جمع ہو جاتے تو وہ ان سے کہتی: آپ اپنا معاملہ جانتے ہیں اور میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے، پس اے فلاں یہ آپ کا بیٹا ہے، پس جو آپ کو

پسند ہو اس کا نام رکھ دیجئے، پس وہ بچہ اس کا ہوتا اور وہ آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

(۴) نکاح کی چوتھی قسم یہ تھی کہ بہت سے آدمی ایک عورت کے پاس جاتے رہتے اور وہ کسی کو اپنی پاس آنے سے منع نہیں کرتی تھی، دراصل ایسی عورتیں طوائف ہوتی تھیں، اور نشانی کے لیے اپنے دروازوں پر جھنڈا نصب کر دیا کرتی تھیں، پس جو چاہتا وہ ان کے پاس جاتا، پس ان میں سے کسی کے حمل ٹھہر جاتا اور وہ اس بچے کو جن لیتی تو وہ سارے اس کے پاس جمع ہو کر قیافہ شناس کو بلاتے اور وہ بچے کو جس کے مشابہ دیکھتا اس سے کہہ دیا جاتا کہ یہ آپ کا بیٹا ہے وہ اسی کا پکارا جاتا اور وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

عرب معاشرے کی ایک طویل تاریخ بیان کرنے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نکاح کی تمام ناجائز صورتوں کو ختم کیا صرف ایک کو باقی رکھا جو جائز ہے (۵۵)

دور جاہلیت کے نکاح کی مذکورہ جتنی صورتوں کا ذکر ہوا، وہ تمام صورتیں دور جدید کے عالمی معاشرے میں نئی صورت اختیار کر کے زندہ ہیں، اسلام کو ترچھی نظر سے دیکھنے والے ذرا غور سے اسلامی تاریخ کو پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ اسلام سے بہتر مقام عورتوں کو کس نے دیا ہے؟ جواب نفی میں پائیں گے، مسلمان عورتیں اگر خود سے یوروپ وامریکہ کی تقلید کر کے تتلی بن کر اڑتی پھرتیں.... ڈانس کرتیں .... شراب خانے میں ساقیا بنتیں.... عصمت فروشی کرتیں.... بکنی، جانگیہ، اسکرٹ پہن کر ننگی ہوتیں.... غیر مردوں سے مخلط ہوتیں.... غیر محرموں سے مصافحہ کرتیں ہیں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے.... اسلام نے ان کو بتا دیا کہ تم تتلی نہیں.... باوقار پردہ نشین خاتون ہو.... تم ڈانس کرنے کے لئے نہیں.... معاشرے کو سنوارنے کے لیے ہو.... شراب خانے میں ساقیا بننے کے لیے نہیں.... گھر میں بچوں کو لوریاں دینے کے لیے ہو.... عصمت فروشی کے لیے نہیں.... عصمت کی حفاظت کے لیے ہو.... بکنی، جانگیہ، اسکرٹ پہن کر ننگی ہونے کے لیے نہیں.... پردہ نشین بن کر اپنے جسم کے تمام اعضا کو چھپانے کے لیے ہو.... غیر مردوں سے مخلط ہونے کے لیے نہیں.... غیر مردوں سے چھپانے کے لیے ہو.... غیر محرموں سے مصافحہ کرنے کے لیے نہیں.... ان سے اپنا دامن بچانے کے لئے ہو.... اسلام کا پیارا سبق پڑھ کر تم اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کی

بارگاہ میں پیاری بن جاؤ۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ بیشتر مسلمان مرد و عورت کو اسلام کا سبق اچھا نہیں لگتا ہے.... پردہ کو دقیانوسی خیالات کی روش اور تہذیب کہہ کر مصیبت سمجھنے لگیں.....بے پردگی کو روشن خیالی کا ستارہ کہہ کر بازاروں میں خود کو دکھاتی پھرتی ہیں، لہذا شرافت کا بازار تو پہلے ہی سے ماند پڑا تھا نئی روش نے ویران کر دیا.... عظمت کو پہلے سے ہی گرہن لگا ہوا تھا نئے طریقے نے اس پر دبیز بادل کی تہیں جما دی ہیں....آج کی نئی نسل چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے، ہماری ادا تمہیں گوارہ نہیں ہے تو آنکھیں بند کر لو، لیکن ہم جو کر رہے ہیں، ہمیں کرنے دو۔

معاشرے میں برائیاں کس طرح عام ہوتی ہیں؟

جاہلیت میں عورتوں پر ہو رہے حیا سوز مظالم کی جھلکیاں مذکورہ صفحات پر تحریر کی گئی ہیں تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ جب شرم و حیا کا دامن جھوٹ جاتا ہے تو معاشرے میں طرح طرح کے مخرب اخلاق برائیاں جڑ پکڑنے لگتی ہیں، اور جلد سے جلد ان بُرائیوں کا تدارک نہ ہو تو صالح معاشرہ بھی ان کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور نوجوان لڑکے لڑکیوں کے اذہان وقلوب ان سے مسحور و مسخر ہو جاتے ہیں تو پھر ان برائیوں کی کوکھ سے قحبہ خانے، چکلا کوٹھی، نائٹ کلب اور نہ جانے کیسے کیسے گناہوں کے اڈے پیدا ہوتے ہیں، جہاں قوم کی بیٹیاں مجسم دلفریب و دلکش اور دلربا بن کر داخل ہوتی ہیں اور چند سکوں کی خاطر اپنی عصمتِ گوہر آبدار کو بیچ ڈالتی ہیں اور شہوت پرست مرد حصول تسکین کے لیے حسن و شباب کی رعنائی پر دولت برباد کر کے قلاش بن جاتا ہے، پھر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں، خواہشات اسفل کو لگام دینے کے بجائے زنا بالجبر کا ایک نیا باب کھول کر خود ذلیل و رسوا ہوتے اور پاک طینت خواتین کو بھی بدنام کرتے ہیں۔

اس وحشی پن کو دیکھ کر غیرت مندوں کے جگر پاش پاش ہوتے ہیں، لوگ ان بے راہ روؤں کے سامنے احتجاج کرنے کے بدلے فریاد و کناں نظر آتے ہیں، یہ سچ ہے کہ انسان کا جوش و جذبہ جب بے حس ہو جاتا ہے اور مجرم کو عبرت ناک سزا دینے کے بجائے تغافل پسندی کو اپنا شعار بنا لیتا ہے تو پھر وقت کا مؤرخ قوم کی بزدلی کے ساتھ واقعاتِ برائی کو صفحۂ قرطاس پر منقش کر دیتا ہے، جسے لوگ صدیوں تک پڑھتے اور سنتے ہیں۔

منجدھار میں جو ڈوبے سفینے کے ساتھ ساتھ
میں تو کہوں گا ان میں ذرا حوصلہ نہیں

سرزمین عرب کی یہی حالت تھی بُرائیاں کھلے عام ہورہی تھیں، تقریباً چھ سوسال تک فضا مکدر بنی رہی، عدل وحکمت کے حامی ندامت کے عالم میں گھٹ گھٹ کر جی رہے تھے، ان کے جذبۂ صادق کو مصلحت وقت نے خاموش کردیا تھا، غمِ دوراں کی تلخیوں کو جبراً برداشت کررہے تھے، مسرت وطمانیت کا گلا دبا کر زندگی گزارنا ان لوگوں کا جزولاینفک بن چکا تھا، مگر کبھی کبھی ضمیر کی خلش عدل کی متقاضی بن کر مقصدِ سفر کی طرف چلنے کا ولولہ پیدا کرتی لیکن یہ کام کسی فرد کا نہ تھا، جہالت کی سنگلاخ وسعتوں کے درمیان برائیوں کی بادِ صرصر چل رہی تھی، ایسے عالم میں روشنیوں کے چراغ کون جلائے؟ حیوانی جبلتوں کے خلاف کسی تحریک کا آغاز کرنا خود کو قیدِ قفس میں ڈالنے کے مترادف تھا۔

ہنس کے گلے لگائے زمانے کے رنج وغم
اس کے سوا تو اور کوئی راستہ نہیں

جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اس فرشِ خاک پر عجیب عجیب تماشے ہوئے، ہورہے ہیں، دن بدن تماشے میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، زن، زر، زمیں کے لیے کیا نہ ہوئے اور کیا کیا نہیں ہورہا ہے، کہا جاتا ہے کہ زن، زر، زمیں کے لیے ہزاروں لڑائیاں لڑی گئیں، لاکھوں قیمتی جانیں صرف عورتوں کی چاہت کی خاطر لڑائیوں میں صَرف ہوگئیں، تسکین ہوس کی غلط راہوں پر چلنے والے بہتیرے اپنی ذلت وشرمساری پر زندگی بھر ماتم کناں رہے، وصل مطلوب کے لیے اپنا لہو بہا کر آرزوئے شوق کی تکمیل کرنے والو! تمہاری سلگتی ہوئی آرزو اور دہکتی ہوئی عشق ووارفتگی کی آگ بجھانے کا یہی طریقہ اور راستہ تھا؟

اے کاش کوئی ان سے پوچھتا کہ اے ہوس پرستو اور نفس امارہ کے پجاریو تمہاری زندگی کا ماحصل صرف عورت ہی ہے؟ وہ بھی ناجائز طریقے پر جبراً کسی کی عصمت تاراج کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اسلام نہ قطع نفس کی دعوت دیتا ہے نہ اس پر تشدد کو مناسب اور روا سمجھتا ہے، بلکہ دائرۂ قوانین میں رہ کر نفس کے مطالبات کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے، اسلام صالح معاشرے کا خواہاں ہے۔

گوہر عصمت لوٹنے اور لٹانے والیوں کی سماج میں کس قدر سبکی ہوتی ہے وہ سب پر عیاں ہے اور اسلام یہ نہیں چاہتا کہ سماج میں کوئی سبک ساری کی زندگی بسر کرے، دوسرے یہ کہ ایک عورت اگر زنا کے ارتکاب میں پکڑی جاتی ہے تو اس سے سارا خاندان بدنام ہوتا ہے اور نسل کا بھی اختلاط ہوتا ہے، چنانچہ ایسی ذلالت اور کثافت سے بچنے کے لیے تمام مذاہب میں شادی کے طریقے مروج ہیں اور تعدد ازدواج کے تعلق سے تو اسلام نے دیگر مذاہب کی نسبت بڑی وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر تمہارے پاس مال ودولت ہے اور ازدواج کے درمیان انصاف کر سکتے ہو تو بیک وقت اپنی پسند کی چار شادیاں کر کے اپنی زندگی کو پُر کیف بنالو۔

مگر کوئی شخص جذبات سفلی سے مغلوب ہو کر کسی عورت کی عصمت کو تاراج کرتا ہے تو اسلام ایسی کثافت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، بلکہ عدل کے دروازہ سے آواز دیتا ہے کہ ایسا شخص (مرد ہو یا عورت) شادی شدہ ہے تو اسے رجم (سنگسار) کرو اور غیر شادی شدہ ہے تو اس پر حد قائم کرو اور سو دڑے مارو، اور ان پر ترس نہ کھاؤ۔

صنعتی انقلاب میں عورتوں کی شمولیت کیوں کر اور کیسے؟

ہر کام اور کام کرنے والوں کے پیچھے کچھ نہ کچھ وجوہات ہوتے ہیں، بادشاہوں کے بیٹے بکریاں چراتے ہوں، امیروں کے بیٹے بھیک مانگتے ہوں، نوابوں کے بیٹے مزدوری کرتے ہوں، رئیسوں کے بیٹے سڑکوں پر کچرے چنتے ہوں تو ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کے بکریاں چرانے، بھیک مانگنے، مزدوری کرنے اور کچرا چننے کے اسباب وعلل پر غور کرنا پڑے گا، شہزادوں کی مجبوریاں کیا تھیں کہ وہ بکریاں چرانے پر مجبور ہوئے؟ امیر زادوں کو کیا پریشانیاں لاحق ہوئیں کہ وہ بھیک مانگنے کے لئے نکل پڑے؟ نواب زادوں کو کس بلا نے گھیرا کہ وہ مزدوری کرنے لگے؟ رئیس زادوں پر کیا مصیبتیں آئیں کہ وہ کچرا چننے کے لئے سڑکوں پر گھومنے لگے؟

تاریخ بتاتی ہے کہ جب بادشاہوں کی بادشاہتیں چھن گئیں تو ان کی اولادیں وہ کام کرنے لگیں جو ان کے لئے زیب نہیں دیتا تھا، امیروں کو جب غریبی نے پکڑا تو پیٹ بھرنے کے لئے امیر زادوں نے بھیک مانگنا شروع کر دیا، نوابوں کی نوابی کو جب گرہن لگا تو ان کی اولادیں مزدوری کر

نے پر مجبور ہوگئیں، رئیسوں کی رئیسی کی جب ہوا نکل گئی تو رئیس زادے ہر طرح کے کام کرنے لگے، تاریخ کی اس حقیقت کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ''صنعتی انقلاب میں عورتوں کی شمولیت کیوں کر اور کیسے ہوئی؟ صنعتی انقلاب میں عورتوں کی شمولیت سے قبل تقریباً تمام مذاہب وممالک اور قوم وملت کی عورتیں خانہ داری، بچوں کی پرورش، شوہر کی خدمت اور بعض عورتیں چھوٹے موٹے گھریلو صنعتوں تک محدود تھیں، آخران عورتوں کو کیا مجبوریاں لاحق ہوئیں کہ عورتیں کل کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور ہوئیں؟ اور یوروپ وامریکہ شور مچانے لگے کہ ہم نے عورتوں کو خود مختار بنادیئے، گھر کی چہار دیواری سے نکال کر صنعتی انقلاب میں شامل کردیئے، پھوٹی کوڑی کی محتاج عورتیں روپیوں میں کھیلنے لگیں، شوہر کے ستم کو برداشت کرنے والیوں کے سامنے اب ان کے شوہر بھیگی بلی بن کر رہنے لگے وغیرہ وغیرہ، صنعتی انقلاب میں عورتوں کی شمولیت کی اصل وجہ مجبوری اور سخت مجبوری تھی، یہ تاریخی حقیقت ہے، اور یہ تاریخی حقیقت پہلی اور دوسری جنگ عظیم ہے، پہلی جنگ عظیم میں لاکھوں آدمی مارے گئے، جس نے عورتوں پر مصیبتوں، مجبوریوں، مالی پریشانیوں اور تنہائیوں کے پہاڑ گرادیئے، اس کے بعد دوسری جنگ عظیم نے رہی سہی کسر پوری کردی، دوسری جنگ عظیم میں بھی لاکھوں آدمی مارے گئے، دوسری جنگ عظیم کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

جرمنی کے ہٹلر نے پولینڈ پر حملہ کیا، پولینڈ کے دوست ممالک برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ کا ساتھ دیتے ہوئے جرمنی پر حملہ کیا، نتیجہ میں یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جنگ عظیم شروع ہوگئی جو چھ سالوں (۱۹۴۵ء) تک جاری رہی، ایک طرف دی ایکسِز---- جرمنی ---- جاپان----اوراٹلی تھے، دوسری جانب دی الائز---- آسٹریلیا---- بلجیم---- برازیل---- کناڈا----چائنا---- جیکوسلواکیہ---- ڈنمارک---- استونیا---- فرانس----گریسیا----انڈیا----لاتوبیہ----لیتھونیہ----مالٹا----نیدرلینڈ---- -نیوزی لینڈ----ناروے----پولینڈ----ساوتھ افریقہ----برطانیہ----امریکہ---- -یوایس، ایس، آر---- یوگوزلادیہ---- وغیرہم شریک تھے۔اس جنگ عظیم میں برطانوی (۴۵۰۹۰) پینتالیس ہزار نوے اورامریکی (۴۱۸۵۰) اکتالیس ہزار آٹھ سو پچاس مرے، دوسری جنگ عظیم میں کل (۶۲۱۷۱۴۰) باسٹھ لاکھ سترہ ہزار ایک سو چالیس سے (۷۸۵۱۱۵۰) اٹھتر لاکھ

اکاون ہزار ایک سو پچاس لوگوں تک کی موت ہوئی، اتنے لوگوں کے مرنے کے بعد اگر پچاس لاکھ عورتوں کے بیوہ ہونے کا اور ایک عورت پر دو بچوں کا یتیم ہونا شمار کیا جائے تو ایک کروڑ بچے یتیم ہوئے، لاکھوں عورتیں اور بچے تو پہلی جنگ عظیم میں بیوہ اور یتیم ہو چکے تھے، پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی ان بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے سامنے مالی مشکلات کا ایک پہاڑ کھڑا ہو گیا تھا، دو وقت کی روٹی اور جسم ڈھانپنے کے لئے دیہاتی عورتیں کھیت کھلیان اور امرا کے گھروں میں اور شہر کی عورتیں کل کارخانوں میں کام کرنے کے لئے نکل پڑیں، عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا دم بھرنے والا یوروپ نے عورتوں کو صنعتی انقلاب میں شامل کرنے کا دعویٰ کر کے ہر طرح سے عورتوں کا استحصال کیا، کل کارخانوں میں پہنچے والی عورتیں مجبور اور ضرورت مند تھیں، ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہو ئے، کارخانوں کے مالکوں نے ان کو مردوں سے کم تنخواہ دینے کی بات کہی، ان عورتوں کو مجبوری میں ہاں کہنا پڑا، کارخانے میں آنے کے لئے ان عورتوں کو اچھا لباس پہن کر اور زینت کر کے آنے کی شرائط بھی رکھ دیں، تین شفٹ ڈیوٹی کرنے کی بھی حامی بھروالیں، ان کی بیوگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کا جنسی استحصال بھی کرنے لگے، وہاں کام کرنے والے مرد بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے لگے، کسی نے مال کے عوض، کسی نے حرص ولالچ میں، کسی نے نفسِ امارہ سے مجبور ہو کر، کسی نے شوق میں، کسی نے مفت میں اپنی عصمت کو بیچا، لٹایا، برباد کیا اور داغ لگایا۔

کل کارخانوں اور دوسری جگہوں پر کام کرنے والی عورتوں کی زندگی ہری بھری، رہائش عمدہ، کپڑے قیمتی و دیگر سہولتیں دیکھ کر دیگر گھریلو عورتوں اور کنواری لڑکیوں کے بھی منھ میں پانی آنے لگا، وہ بھی کل کارخانوں و دیگر ذرائع ملازمت کی جگہوں پر پہنچنے لگیں، عورتوں و مردوں اور لڑکیوں کا یہ اختلاط دوستی، یاری میں بدلنے لگا، ہمدردی کی جھوٹی لہریں بھی سر اٹھانے لگیں، اس دوستی، یاری اور ہمدردی کے پردے میں لوگ جنسی بھوک بھی مٹانے لگے، بیواؤں کو جنسی سکون حاصل ہونے لگا، کنواریاں شادی سے جان چھڑانے لگیں، بچے پیدا کرنے کے خیالات مشکوک ہونے لگے، لڑکیاں شادی کو مردوں کی غلامی سمجھنے لگیں، شادی کے بعد آزادی اور آوارگی پر قدغن کا خوف ستانے لگا، خود مختاری پر میاں کے مختار بن کر پہرہ لگانے کا ڈر شادی کے درمیان حائل ہونے لگا، دوستی اور فرینڈ شپ کے نام پر بغیر شادی کے مردوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا رجحان بڑھنے لگا، یوروپ کی یہ کہا

نیاں جب جوان ہوگئیں تو وہاں کے معاشرے میں ناجائز بچوں کو قبول کیا جانے لگا، جن لوگوں میں شادی کا رجحان زندہ رہا، ان کے مزاج میں گرمی اور زوجین کے تضاد خیالات نے طلاق کا باب کھول دیئے، خاندانی اور معاشرتی نظام جہنم کا نمونہ بن گیا۔

یوروپ میں پیدا ہونے والا عورتوں کے تئیں صنعتی نظام کا خیال آہستہ آہستہ مشرق کی جانب بڑھنے لگا، زندگی کو سدا بہار بنانے کی خواہشیں مشرقی عورتوں میں سمانے لگیں، دُور کے ڈھول سہانے کی مثل عورتوں کو خوشی کی ایک لہر ان کو گدگدانے لگی، مشرقی عورتیں کل کارخانوں کی طرف چل پڑیں، اب عورتوں کی زندگی کے ہر موڑ پر نئی کونپلیں نظر آنے لگیں، یہ کونپلیں کہیں پر اچھی بھلی، کہیں پر بری، کہیں پر تلخ و ترش، کہیں پر مرجھائی ہوئی، کہیں پر سوکھی ہوئی، کہیں پر تکلیف دہ ہی نہیں بلکہ سخت تکلیف دہ نظر آنے لگیں، ان عورتوں کے سامنے مجبوریوں کے پہاڑوں کے سامنے بھی کوئی مجبوری نہیں تھی تو یہ بھی ان کی مجبوری تھی کہ انہوں نے مجبوریوں کو دیکھ کر بھی صرف روپیہ کے لئے کسی سے اپنی مجبوری کا اظہار نہیں کیا، نہ کسی کو اپنی مجبوری کا احساس ہونے دیا، گھریلو کام کرنے اور گھر میں رہنے کو مجبوری سمجھنے والیاں، گھر سے نکل کر کارخانے میں کام کرنے اور رہنے کے لئے مجبور ہوگئیں، ایک مجبوری سے نکلیں تو دوسری مجبوری میں گرفتار ہوگئیں، آزاد خیالوں کی پڑھائی ہوئی پٹی کہ شوہر کی تابعداری، غلامی کی مثل ہے، لہذا آزادی کے نام پر شوہر کی غلامی سے نکل کر، کارخانوں کے مالکوں کی غلام بن گئیں، گھر میں غیر مردوں کی بدنگاہی سے محفوظ تھیں، ملازمت کرنے میں غیر محفوظ ہوگئیں، گھر میں بچوں کی پرورش اور شوہر کی خدمت کو نوکرانی کا نام دیا گیا، کام کرتے کرتے تھک جانے کی شکایتیں ہونے لگیں، نوکری کرنے میں آٹھ گھنٹے تک مردوں کے دوش بدوش، مردوں کی طرح کام کر کر کے چور ہونے کا تلخ تجربہ تو ہوا لیکن یہ شکایتیں کس سے کرتیں؟ اس لئے من کی آگ کو من ہی دبائے رہیں، ان کا حال کولھو کے بیل کے جیسا ہوگیا، کل کارخانوں سے واپس آنے کے بعد بھی گھر میں چولہا جلانا ان کی مجبوری تھی۔

مشرقی معاشرہ کل اور آج

ہندوستانی معاشرہ مشرقی معاشرہ کہلاتا ہے، مشرقی تہذیب میں شرم وحیا و غیرت دو قالب ایک جان کی طرح سے رہی ہے، یہی شرم وحیا و غیرت مشرقی تہذیب کی جان ہے، جس نے غیرت

کو مضبوط پکڑا کامیاب رہا، جس نے چھوڑ دیا برباد ہو گیا، یہاں گھونگھٹ، نقاب اور پردہ کے ذریعے سے عورتوں نے اپنے حسن وشباب وخوبصورتی اور چہرے کی حفاظت کی ہیں، دوپٹہ، چادر اور ساڑی کے پلو سے اپنی نسوانیت کو چھپائی ہیں، ماضی میں بیل گاڑی، رتھ، یکہ، ٹم ٹم اور ڈولی میں بھی سفر کرتے وقت پردے کا معقول انتظام رکھتی تھیں، تعلیم یافتہ کم تھیں، مگر حیا کے زیور سے آراستہ تھیں، غریبی میں بھی سر سے پلو کو سرکنے نہیں دیتی تھیں۔

آج کل کی عورتیں بدل چکی ہیں، گھونگھٹ نکالنا اب عیب سمجھا جاتا ہے اگر کوئی حیادار عورت گھونگھٹ کاڑھتی ہے تو تماشا بن جاتی ہے، آخر ایسا کیوں؟ یوروپ وامریکہ کی تہذیب کو اپنانے والی لڑکیاں اور عورتیں دوپٹہ کے بغیر تنگ وچست پینٹ اور شرٹ استعمال کرتی ہیں جس سے جسم کا ہر عضو نمایاں رہتا ہے تو کوئی بات نہیں، وہ تماشا نہیں بنتی ہیں اور اپنے گھر میں اپنی تہذیب میں رہنے والیاں تماشا بن جاتی ہیں، نقاب مسلم معاشرے کی پہچان اور جسم کو چھپانے کا معقول لباس ہے، اس پر بھی چوٹ کی جاتی ہے، بلکہ جوان لڑکیوں کو ان کے باپ ماں ہی نقاب پہننے سے منع کرتے ہیں تو سن کر عجیب سا لگتا ہے کہ خدا نے ان کی عقل چھین لی ہے کہ وہ جوان لڑکیوں کو نقاب نہیں پہننے دیتے ہیں، خال خال ایسے والدین دیکھنے کو ملتے ہیں جو اپنی بچیوں کو حجاب پہننے کی ہدایت کرتے ہیں، ایک اخبار کے سوال وجواب کے کالم میں شائع ہوا ایک لڑکی کا سوال پڑھیے:۔

''سوال۔ میٹرک تک میں نے امی کی ہر بات مانی اور ان کے کہنے پر اسکول کبھی چادر اور کبھی برقع پہن کر گئی، امی کی پابندی ہوتی تھی کہ سر ضرور ڈھکے رہنا تو میں یہ بات بھی مانتی، اب کالج میں ہوں یہاں کوئی دوست چادر یا برقع وغیرہ نہیں پہنتی، مجھ پر اعتراض ہوتا ہے تب میں الجھن میں پڑ جاتی ہوں، ابو کوئی سختی نہیں کرتے، انہوں نے آزادی دے رکھی ہے، میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ امی مجھ سے ناراض ہوں اور دوستوں کی باتیں بھی برداشت نہیں ہوتیں، میں بہت کشمکش میں ہوں یا تو کالج جانا چھوڑ دوں یا پھر امی کو بتادوں کہ میں نے ابو سے اجازت لے لی ہے کہ چادر یا برقع پہننا ضروری نہیں'' (۵٦)

مذکورہ تحریر میں لڑکی کی کشمکش واضح ہے، ایک جانب ماں کی ہدایت، دوسری طرف دوستوں کا اعتراض، لڑکی کرے تو کیا کرے، اسکول وکالج اور یونیورسٹیوں میں حجاب کا چلن ہوتا تو

لڑکی اس طرح سے پریشان نہیں ہوتی، اب اس کے سامنے دو ہی راستے ہیں کہ وہ ماں کی بات مانتی ہے تو کالج چھوڑنا پڑے گا، اگر کالج نہیں چھوڑتی ہے تو حجاب ترک کر کے بے پردہ ہونا پڑے گا، مثل مشہور ہے کہ ''اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا'' اکیلے وہ لڑکی کسی کو پابندۂ حجاب نہیں بنا سکتی ہے، اخبار کے کالم نگار نے لڑکی کو مشورہ دیتے ہوئے اچھی بات لکھی ہے:۔

''جواب: ہر مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت، اس کے لئے اپنے لباس کو اسلام کے اصولوں کے مطابق منتخب کرنا ضروری ہے، لڑکے ہوں یا لڑکیاں، ہر طرح کی آزادی کسی کو بھی حاصل نہیں، آپ کالج نہ چھوڑیں بلکہ ان لڑکیوں کا ساتھ چھوڑ دیں جو حجاب سے بددل کر رہی ہیں، ایک امریکی نو مسلم خاتون ڈاکٹر ماریہ نے کہا، اسلام نے عورتوں کے بارے میں جو مخصوص احکام دیئے ہیں مجھے ان میں سب سے زیادہ ''حجاب'' پسند ہے، کیوں کہ مجھے مکمل یقین اور اطمینان ہے کہ عورت کا اپنے جسم کو ڈھکے رکھنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ مردوں کے مقابلے میں کمتر ہے بلکہ یہ اس کے تحفظ اور احترام و اکرام کا خاص حق ہے'' (۵۷)

جو مسلمان لڑکیاں اور عورتیں قرآن وحدیث کی باتوں پر عمل نہیں کرتی ہیں وہ ڈاکٹر ماریہ کی باتوں پر کب عمل کرنے والی ہیں، یوروپ وامریکہ کی تہذیب، مشرقی لڑکیوں اور عورتوں کی گھٹتی میں گھسی جا رہی ہے بلکہ بعضوں کی گھٹتی میں گھس چکی ہے، یوروپی اور امریکی معاشرے میں لڑکیوں کی بے عزتی اور بے قدری سے تنگ آ کر لڑکیاں اور عورتیں اسلام کی جانب مائل ہو رہی ہیں اور مشرقی لڑکیاں اور عورتیں یوروپین وامریکن تہذیب کو انمول ہیرا سمجھ کر دل وجان سے اس پر فدا ہو رہی ہیں، غور طلب بات ہے کہ ہم میں کمی کیا ہے؟ کمی یہ ہے کہ ہم نے قرآن وحدیث اور اسلامی کتابوں سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے، اگر قرآن وحدیث سے ہمارا رشتہ برقرار ہوتا تو آج ہمارے معاشرے کی یہ حالت نہیں ہوتی، ہندوستان کی ایک برہمن لڑکی ''سنگیتا'' ''مذہبی کتب میں عورتوں کے حقوق'' کے عنوان سے پی ایچ، ڈی میں داخلہ لیتی ہے، اس کی تحقیق میں دیگر مذہبی کتابوں کے ساتھ قرآن مجید بھی داخل تھا، موصوفہ نے قرآن کریم کے مطالعہ کے بعد لکھا ہے:

''قرآن کریم کے تراجم کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اسلام کے آنے سے پہلے عورتوں کی حالت پوری دنیا میں نہایت ابتر تھی، ان کو کسی طرح کے حقوق حاصل نہیں تھے، ان کو جانورو

ں کے مانند سمجھا جاتا یا پھر مردان کو جنسی تسکین کے لیے استعمال کرتے تھے، میرا تصور ہندوؤ
ں کی مذہبی کتابوں کی طرف گیا، جہاں عورت کو ایک کھلونا تصور کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اسے
جوا کی بازی میں داؤ پر لگایا جاتا تھا، ہندوؤں برسر اقتدار طبقہ کے نزدیک عورتوں کے حقوق
نہیں تھے، داسیاں ہندوؤں میں رہا کرتی تھی، جو پجاریوں کی ہوس پوری کرنے کا ذریعہ تھیں
، عربوں میں بیٹی کا پیدا ہونا بے عزتی کی بات سمجھی جاتی تھی، چنانچہ اسے پیدا ہوتے ہی زندہ
زمین میں دفن کردیا جاتا تھا، یوروپ آج عورتوں کے حقوق کا علمبردار کہلاتا ہے، یہ سب اس
لئے ہے، چونکہ اسلام نے عورتوں کو حقوق عطا کردیئے ہیں، ورنہ ظہور اسلام سے پہلے
یوروپ میں بھی عورتوں کو غلام سمجھا جاتا تھا، ان کی عصمت وعفت کا کوئی تصور موجود نہیں تھا،
ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں، جب باپ اور بیٹی میں جنسی ملاپ کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا'' (۵۸)

سنگیتا نے سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرکے حقیقت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنا پی ایچ، ڈی کا مقالہ مکمل کیا اور اس میں واضح کیا کہ حقیقت میں اسلام ہی عورت کے حقوق کا محافظ ہے، پاداش میں تعصب کا باب کھلا جو روشنی کو اندھیرا اور اندھیرے کو روشنی، حق کو باطل اور باطل کو حق کہنے اور کہلانے پر مصر ہوا، حق کی روشنی دکھلانے پر شور مچایا گیا، ایسی بھی کوششیں کی گئیں کہ سنگیتا کو پی ایچ، ڈی کی ڈگری نہ ملے، لیکن سنگیتا نے حق کو ثابت کیا، آخر کار ان کو پی ایچ، ڈی کی ڈگری ملی، اس سے بڑھ کر یہ کہ اس تحقیق کے نتیجہ میں ان کو ایمان کی بھی ڈگری ملی، وہ کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئی، شبنم خاتون نام رکھا اور مسلمان سے شادی کیا، اور باحجاب بن گئی۔

مسلم لڑکیاں اور خواتین، شبنم خاتون کے کردار سے کچھ سبق حاصل کریں گی؟ یا یونہی آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بن کر پھرتی رہیں گی؟

کہا جاتا ہے کہ تعلیم سے کردار سازی ہوتی ہے، لیکن تعلیم کے نام پر ہی آج کے دور میں مشرقی لڑکیوں کے سروں سے دوپٹہ اتروایا جاتا ہے، تعلیم کے نام پر ہی اسکریٹ اور چڈی پہنائی جاتی ہے، تعلیم کے نام پر ہی سومنگ پول میں لڑکوں کے ساتھ اتار کر مگرمچھ کی طرح لڑایا جاتا ہے، تعلیم کے نام پر ہی لڑکوں کے ساتھ اسٹیج پر ڈانس کروایا جاتا ہے، تعلیم کے نام پر ہی بے شرم بنایا جاتا ہے، تعلیم کے نام پر ہی حیا کو ذبح کیا جاتا ہے، تعلیم کے نام پر ہی مشرقی تہذیب سے ہٹا کر مغربی تہذیب میں

داخل کیا جاتا ہے، ایسی تعلیم سے لڑکیوں کی کردار سازی تو نہیں ہوتی بلکہ ان کے رہے سہے کردار میں مغربی کردار کا گھن ضرور لگ جاتا ہے، پھر وہ خود کو ترقی یافتہ کہہ کر یا کہلوا کر، برہنہ پن کے ساتھ غیر مردوں سے ملتیں، ہاتھ ملاتیں، گلے گلے ملتیں، بے حیائی کی باتیں کرتیں، غیر مردوں کے ساتھ کھیل کود کر دل بہلاتیں، اس طرح سے آزادئ خیال اور ترقی کے نام پر عیاشی کا باب کھل جاتا ہے۔

ایسی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لڑکیاں اور عورتیں خوش ہوتی ہیں کہ وہ تعلیم یافتہ ہو گئیں، ان کو ملازمت مل گئی، اب وہ مردوں کے برابر ہو گئیں اور یہ نہیں سوچا کہ آج کے ان آزاد خیال مردوں نے ان کو عورتوں کے روپ میں رکھ کر نہیں بلکہ مردوں کے بھیس میں لا کر ملازمت اور آزادی دی ہے، ایسی عورتوں کی تانیثیت کا چہرہ مسخ ہو جاتا ہے، تانیثیت عورتوں کی فطرت ہے تو اس فطرت میں حیا شامل ہے، شرم داخل ہے، پردہ لازمی ہے، عفت کی حفاظت ضروری ہے، عصمت کے گوہر کو بچانا فرض میں شامل ہے، لیکن افسوس ہے کہ تعلیم کے نام پر بچپن میں تانیثیت کو ختم کر کے اس کے کردار کو آزادی کی راہ پر موڑ دیا جاتا ہے تو جوانی میں وہ کردار اب سنجیدگی، حیا اور شرم کی ڈوری کو تھامنے کے لئے راضی ہی نہیں ہوتا، اب ان کی شادی کے لیے ویسا ہی آزاد خیال لڑکا اور معاشرہ چاہیے، اگر قسمت سے اس کے برعکس ان کو لڑکا اور معاشرہ مل جاتا ہے تو وہ لڑکیاں وہاں پر رہنے اور زندگی گذارنے کو راضی نہیں ہوتی ہیں، وجہ یہ ہے ان کو سائنس، جغرافیہ، حساب، معاشیات، بیالوجی، سوشیالوجی، ٹیکنکل تو پڑھا دیا جاتا ہے لیکن کردار سازی کے لیے مثبت خاندانی وقار، سماجیات، اخلاقیات اور پاکیزگئ سیرت کی تعلیم نہیں دی جاتی ہے، عصمت وعفت کا مرتبہ ومقام اور پردے کی اہمیت نہیں بتائی جاتی ہے تو وہ اپنی مشرقی تہذیب کو فرسودہ سمجھ کر مغرب کی نقالی میں لگی ہوئی ہے، اس تعلق سے ایک صحافی عتیق مظفر پوری کی ذیل کی تحریر ملاحظہ کیجئے:

"موجودہ معاشرے نے مغرب کی نقالی میں خواتین کو استعمال کی شے اور پیسہ کمانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے، وہ پہلے کی طرح تخلیق کائنات کا ذریعہ نہیں سمجھی جارہی ہیں، مساوات کے نام پر مردوں سے مقابلہ آرائی، آزادی کے نام پر بے راہ روی، پردے اور حجاب کی ضد میں کم لباسی وعریانیت، فرینڈشپ کے نام پر غیر محرم یا غیر مردوں کے ساتھ بے جا اختلاط اور سر عام بوس وکنار کی اجازت اور فروغ اسی فکر کی غماز ہے، ہمیں اس فکر کی تائید

کرتے وقت اس بات کو نہیں بھولنا چاہئے کہ سماج کی بھی کچھ حدیں ہوتی ہیں، جن کی پاسداری لازمی ہے، اگر ان کی پاسداری نہیں کی گئی تو آبروریزی اور اجتماعی آبروریزی جیسی برائیوں کا جنم لینا لازمی ہے اور اس کی پاسداری کسی قانون یا کھاپ سماج پنچایت کے اوٹ پٹانگ فیصلوں سے نہیں کرائی جاسکتی۔

والدین کو اس کا ذمہ لینا ہوگا، انہیں اپنے معاشرے کے اصول وضوابط کے مطابق بچوں کی تربیت کرنی ہوگی، اگر والدین اپنی اس ذمہ داری کو سمجھنے اور پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو بھلے ہی وہ قانون کی نظر میں مجرم نہ گردانے جائیں، لیکن وہ اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے کے مجرم قرار دیئے جائیں گے، انہیں اپنا احتساب کرنا چاہئے، انفارمیشن اور ٹکنالوجی کے اس طوفان میں بچوں کو ان کی رہنمائی کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، اگر ایسا نہیں ہوا اور آنکھیں بند کر کے مغرب کی تقلید کی جاتی رہی یا شخصی آزادی اور انسانی حقوق کے نام پر نوجوان نسل کو بے لگام چھوڑ دیا گیا تو معاشرے کو مغرب کی طرح ہی بغیر باپ کے بچوں اور کم سن ماؤں کے مسائل سے دوچار ہونے کی تیاری بھی ابھی سے شروع کر دینی ہوگی، بشمول آبروریزی واجتماعی آبروریزی جنسی مسائل کے سارے چشمے بھی بے راہ روی کے اسی سرچشمے سے پھوٹتے ہیں، مغرب کی نقالی کے مؤیدین کو یہ بات نہیں بھولنی چاہئے، آبروریزی اصل مرض نہیں، مرض کی محض علامت یا علت ہے، علامت کو رونے سے بات نہیں بنے گی، اصل مرض کی تشخیص کر کے علاج کیا جائے، علالت اور علت اپنے آپ دور ہو جائے گی" (۵۹)

دنیا کو معلوم ہے کہ انگریزی میڈیم اسکولوں میں لڑکیوں کو ناچنا، گانا اور ڈانس کرنا سکھایا جاتا ہے اور اسکول کے خاص پروگرام میں ان لڑکیوں کے ڈانس کرنے، گانا گانے اور ناچنے کی تاریخ مقرر کر کے ان کے والدین کو دعوت دی جاتی ہے، ان کے والدین اپنے پڑوسیوں اور ملنے والوں اور ملنے والیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو ہماری لڑکی اسکول میں ڈانس کرے گی، ناچے گی اور گانا گائے گی، لہذا آپ لوگ اس کے اسکول میں آکر اس کا ناچنا، گانا اور ڈانس کرنا دیکھیں، جب پروگرام شروع ہوتا ہے تو تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے لڑکیوں کا استقبال کیا جاتا،

کبھی تنہا کبھی لڑکیوں کے ساتھ اور کبھی لڑکوں کے ساتھ وہ ناچتی ہیں، اِدھر ناچ شروع ہوتا ہے، اُدھر والدین اس کی ویڈیو سوٹنگ شروع کر دیتے ہیں، والدین اس سوٹنگ کو حفاظت سے رکھتے، اپنے خویش واقارب اور آنے والے مہمانوں کو دکھا کر خوش ہوتے ہیں کہ ہماری بیٹی اس ڈھنگ سے ناچتی ہے، کیا آگے چل کر ایسی لڑکیاں مشرقی تہذیب میں آسکتی ہیں؟ مشرقی لباس اور مشرقی قیودو بند میں رہ سکتی ہیں؟ معاشرے کا مطالعہ کرنے والے کہتے ہیں کبھی بھی نہیں رہ سکتی ہیں، گھو نگھٹ، نقاب اور پردہ ان کے لیے عجوبہ، فسطائیت، فرسودہ، قدامت پسندی، بیکار اور مہمل ہے۔

انگریزی میڈیم کا اثر اردو میڈیم پر

کتاب کے شروع میں لکھا جا چکا ہے کہ آدمی عقل شعور وآگہی کی بنیاد پر سب سے بڑا نقال ثابت ہوا ہے، اس پر طرفہ یہ کہ آدمی اچھائی کی نقل کم اور برائی کی نقل کرنے میں پیش پیش رہتا ہے، انگریزی میڈیم اسکولوں میں اب وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کو مشرقی معاشرے میں جینے والے نہیں جانتے تھے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کو لوگ تعلیم کے نام پر برداشت کر رہے ہیں ورنہ بیشتر لوگ اس کو اب بھی ویسا برا سمجھے ہیں جیسا کہ پچاس پہلے سمجھتے تھے، مگر افسوس اور حیرت اس وقت ہوتی ہے، جب وہی کام اردو میڈیم میں ہونے کی خبر ملتی ہے کہ وہی دھینگا مستی، وہی اُٹھا پٹک، وہی عشق ومحبت، وہی بوس وکنار، وہی بے حیائی، وہی گندی اور غلیظ حرکتیں وہاں کے بچے بھی کرتے ہیں جو انگریزی میڈیم کے بچے کرتے ہیں، گاہے گاہے ایسی خبریں منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں، ایک رپورٹ ملاحظہ کریں:۔

"مسلم اکثریتی بھیونڈی جہاں مذہبی درسگاہوں کی تعداد درجنوں میں ہے اور مساجد کی تعداد سینکڑوں میں، اور کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرتا کہ شہر میں کہیں نہ کہیں مذہبی پروگرام اور مدرسوں اور اسکولوں میں تربیتی وتادیبی درس نہ دیئے جاتے ہوں، اس کے بعد بھی بطور خاص مسلم معاشرہ اور اردو سماج سے جڑے افراد کے حالات سن کر سر شرم سے جھک جاتا ہے اور کبھی کبھی ایسے حالات سامنے آتے ہیں کہ ان پر کچھ لکھنا اور بے غیرتی اور بے حیائی کے دلدل میں پھنسے سماج کے رسواکن عناصر سے ذمہ داران سر پرستوں وطلبا وطالبات کے والدین کا آگاہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ گذشتہ دنوں بھیونڈی سے ''ایسل ورلڈ'' جانے والی پکنک کا سامنے آیا کہ بھیونڈی کے متعدد اردو اسکولوں سے پکنک پر گئے دسویں جماعت کے طلبہ وطالبات کی مخلوط پکنک تھی اور اسی پکنک میں شامل ایک اصلاح پسند ٹیچر نے جو کہ اصلاح معاشرہ کا ذہن رکھتے ہیں، انہوں نے اسی پکنک کے جو حالات بتائے اور وہاں طلبہ وطالبات کے علاوہ خود خاتون اساتذہ اور طالبات کو ایک ساتھ رقص کرتے دیکھا گیا اور یہ نظارہ دور کھڑے مرد ٹیچر دیکھتے رہے، نیز انہوں نے بتایا کہ جب پکنک کے لئے بس کرایہ پر لی جاتی ہے تو اگر بچوں کی تعداد کم ہوتی ہے یا خرچ کم پڑتا ہے تو غیر اسکولی یا دوسرے اسکول کے لڑکے بھی ملا کر شامل کر لئے جاتے ہیں اور ان میں بھی پکنک پر لے جانے والے ذمہ دار اساتذہ کے شناسا ہی ہوتے ہیں، جن والدین نے اپنے بچوں اور بچیوں کو اساتذہ پر بھروسہ کر کے ان کے ہمراہ بھیج دیا ہے کہ جب وہ ہمیشہ تعلیم وتربیت پر دھیان دیتے ہیں تو وہاں پکنک پر بھی دھیان دیں گے لیکن اس اعتماد کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں اور اس کا ایسا استحصال کیا جاتا ہے جو کہ یہاں قابل بیان نہیں ہے۔

پکنک پر گئے ایک استاذ نے بتایا کہ طلبہ وطالبات کا باہم رقص کرنا اور آزادانہ ماحول میں اچھل کود اور پکڑ دھکڑ جسے اس دنیا میں صرف مباح نہیں بلکہ مستحسن سمجھا جاتا ہے، انہوں نے بتایا کہ اساتذہ ہوٹل پر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے اور بچے وبچیاں بالکل بے لگام ہو کر ناچ رہے تھے، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ کچھ عمر دراز طلبہ وطالبات تمام لوگوں سے ہٹ کر الگ تھلگ مشتبہ انداز میں گھومتے نظر آرہے تھے، انہوں نے بتایا کہ جب میں نے انہیں سب کے ساتھ اور واضح مقامات پر جانے کے لئے کہا اور بتایا کہ اس طرح ایک ساتھ ملنا جلنا جائز نہیں ہے تو انہیں یہ جواب دیا گیا کہ تم کون ہوتے ہو بولنے والے! ہم یہاں حج کرنے نہیں آئے ہیں، وہاں مسلم گھرانوں کے اردو میڈیم کے طلبہ وطالبات بوائے فرینڈ جیسے ماحول میں تھے اور اسکارف پہن کر بھی کچھ لڑکیاں ناچ رہی تھیں، عینی شاہد ٹیچر نے بتایا کہ وہاں غیر اسکولی لڑکے ہی نہیں بلکہ غیر مسلم لڑکے بھی اردو میڈیم کی لڑکیوں اور مسلم طالبات کے ساتھ موبائیل نمبرات کا لین دین کرتے ہوئے پائے گئے اور حد تو اس وقت ہوگئی کہ جب

بے پردہ ہو کر شرم وحیا کا پیکر کہی جانے والی بنت حوا کے رقص و سرور اور نا روا سلوک کو موبائیل میں قید کیا جا رہا تھا، بھیونڈی سے آئے پکنک پر طلبہ و طالبات کے موبائیل نمبروں کا لین دین ان لڑکوں کے ساتھ ہو رہا تھا جو کہ بھیونڈی کے نہیں یا کم از کم مسلم نہیں تھے، بڑے ہی تشویش کی بات ہے۔

تاہم خود ''ایسل ورلڈ'' میں بھی اصلاح معاشرہ مہم کے دلدادہ ٹیچر نے اپنی بساط کے مطابق لوگوں کو روکا اور بھیونڈی آنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ رات کے ابتدائی حصہ میں جب بسیں راستہ طے کرتی ہیں تو بس میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے طلبا و طالبات طوفان بدتمیزی برپا کرتے ہیں لیکن ان تمام تر بگڑتے معاشرہ کے ذمہ دار صرف نوجون طلبا و طالبات ہیں؟ اس پر غور کرنا چاہئے'' (٦٠)

اے تنگ کردار، تمنا کے غلام	خوبی نہیں جینے میں تو جینا الزام
ہر وقت برائی پہ نہ رکھ اپنی نظر	بدنام نہ کر اپنے بزرگوں کا نام

رہبر کی تقلید میں راہی چلتا ہے، مگر جب رہبر ہی راستہ بھول جائے تو راہی کا کیا حال ہوگا ؟ رہبر جب راستہ بھول جائے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ راہی راستہ پر سلامت رہے، اول چیز تو یہ ہے کہ جوان لڑکے اور لڑکیوں کو مخلط کر کے پکنک پر لے جانا ہی روا نہیں ہے، یہ یوروپ وامریکہ اور انگلش میڈیم کی تقلید ہے، اس پر ستم یہ کہ اردو میڈیم کی جوان لڑکیوں کے ساتھ غیر مسلم لڑکے کا رفیق سفر ہونا سم قاتل سے کم نہیں ہے، طرفہ تماشہ یہ کہ ان میں موبائیل کے نمبروں کا لین دین ہونا مستقبل میں خطرے سے خالی نہیں، خاتون اساتذہ اور طالبات کا مل کر رقص کرنا انگلش میڈیم کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے، لڑکے اور لڑکیوں کا ایک ساتھ اچھل کود، پکڑ دھکڑ میں کیا کیا ہوتا ہے دنیا خوب جانتی ہے، پھر کچھ لڑکے اور لڑکیوں کا سنسان مقام پر مشتبہ انداز میں پھرنا ضرور دال کے کالے کو عیاں کرتا ہے، لڑکیوں کی بیباکی کہ ہم یہاں حج پر نہیں، پکنک منانے آئے ہیں، یہاں جو چاہیں کریں، مسلم سماج اور اردو میڈیم کی زبوں حالی کی کھلی دلیل ہے، جب جوان لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ ناچ رہے تھے تو بعد میں ان میں کچھ نہ کچھ تو اپنا بوائے فرینڈ بنا ہی لیں گے، اسی لئے موبائیل فون کا لین دین بھی کر رہے تھے، انگلش میڈیم میں لڑکیاں چڈی اور اسکرٹ پہن کر ناچتی ہیں اور یہاں اسکاف

پہن کر ناچ رہی تھیں، مطلب یہ ہوا کہ خوش رہے رحمٰن بھی اور راضی رہے شیطان بھی"۔ ان لڑکیوں کے ناروا حرکات کو موبائیل میں ضبط بھی کیا جارہا تھا، مقصد کیا ہے؟

آزاد خیالی کا نتیجہ

آزاد خیالی کا ہی نتیجہ ہے کہ بیشتر لڑکیاں دورانِ تعلیم لڑکوں سے عشق و محبت کے نام پر اپنی عفت گنوا دیتیں، حاملہ ہو جاتیں، والدین کی مرضی کے بغیر گھر چھوڑ کر نکل جاتی ہیں اور جب ان کے عاشق کا دل بھر جاتا ہے تو ان لڑکیوں کو ٹھوکریں مار کر، دھوکے دے کر، جان سے مارنے کی دھمکی دے کر، غنڈے لگا کر، اذیتیں دے کر گھر چھوڑنے، اپنے ماں باپ کے گھر لوٹنے، کہیں اور چلی جانے یا کسی اور مرد کا دامن تھام لینے یا اپنا لینے پر مجبور کر دیتے ہیں، ایسی لڑکیاں نہ گھر کی نہ گھاٹ کی رہ جاتی ہیں، آئے دن آنکھوں سے دیکھنے، کانوں سے سننے اور اخباروں میں پڑھنے کو ملتا ہے کہ کوئی مسلمان لڑکی بھنگی کے ساتھ بھاگ گئی تو کوئی موچی کے ساتھ چلی گئی، کوئی غیر مسلم کے ساتھ بیاہ کر لیا تو کوئی پڑوسیوں کے ساتھ لاپتا ہو گئی، پھر سال چھ مہینے کے بعد لوٹ کر آئیں تو نہ ان کے والدین نے ان کو قبول کیا، نہ سماج نے رُکنے دیا، مجبور ہو کر ناری نیکتن کو چلی گئیں یا قحبہ خانہ کی جانب رخ کیا۔

اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم سے لڑکیاں بگڑیں، بہتیرے خاندان کی ناک کٹی، بہت سارے باپ شرم سے پانی پانی ہو گئے وجہ یہ ہے کہ اسکول و کالج سے چھٹنے کے بعد ان کو اپنے گرل فرینڈ کے ساتھ باپ نے بے حیائی کرتے دیکھا تو باپ کی حمیت اس بے حیائی کو برداشت نہ کر سکی، تو بے حیا بیٹی کو کہیں بہتے دریا میں بہایا، کہیں آگ لگا کر جلایا، کہیں انجکشن لگا کر مروایا، کہیں بدمعاشوں کے ذریعہ قتل کروایا، کہیں خود سے ذبح کیا، یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے، اس قسم کی خبریں آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

مشرقی معاشرہ کی لڑکیاں مغرب کی نقل کر کے برباد ہو رہی ہیں، مدرسہ اور دارالعلوم کے طلبہ کو دنیاوی تعلیم حاصل کرنے اور پڑھنے کا مشورہ دینے والے ایسی لڑکیوں اور لڑکوں کو کیوں مشورہ نہیں دیتے کہ تم قرآن و حدیث کی تعلیم بھی حاصل کرو تا کہ تم کو معلوم ہو کہ عفت و عصمت کیا ہے، ماں باپ، شوہر، ساس و سسر کے حقوق کیا ہیں، تمہارا لباس کیسا ہونا چاہئے، تم کو گھر، اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں کس طرح سے رہنا چاہئے، غیر مردوں اور لڑکوں سے ہنس ہنس کر باتیں

کرنی، صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ سماجی اور اخلاقی جرم ہے، غیر مردوں سے ہاتھ ملانا، ان کا قرب اختیار کرنا، بوس و کنار ہونے کی مشرقی معاشرہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حالات و واقعات کے مد نظر مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ اسکول و کالج میں پڑھائیں، اور پکنک کے نام پر برباد ہونے سے بچائیں اور فی زمانی اب اس سے زیادہ ضرورت ہے اسلامی تعلیم کی، تا کہ لڑکیاں پڑھ لکھ کر ہمارے سماج و معاشرے میں صالحیت کا انقلاب لائیں، ظلمت کو دور کریں، عفت و عصمت کی قدر بتائیں، عورتوں کو ان کا مقام بتائیں، دنیاوی تعلیم کے لیے خود کا کالج و یونیورسٹی کھولیں، ورنہ مزید سنگین تباہی سے مسلمان دوچار ہوں گے ، یہ تنہا میری رائے نہیں ہے بلکہ سماج کے لڑکے لڑکیوں کو برائیوں میں ملوث دیکھ کر ہر حساس ذہن یہ ہی محسوس کرتا اور قوم کو آگاہ کرتا ہے۔

اشتہار بازی کے اس دور میں اشتہارات کے ذریعے سے عورتوں کے ہر عضو کو جس طرح سے بے پردہ کیا جاتا ہے، اس پر کوئی احتجاج نہیں ہوتا ہے تو اس کی وجہ عورت ہی ہیں کہ وہ بے پردہ اشتہارات کا لاکھوں اور کروڑوں روپیہ وصول کرتی ہیں، اب کوئی اس کا بھی نام ترقی یافتہ رکھتا اور رکھتی ہے تو اس پاگل پن کا کیا علاج ہے؟

نوجوان نسل میں بڑھتی بے حیائی

مذکورہ سرخی دے کر ایک مضمون میں مسرور صغریٰ، ریسرچ اسکالر جواہر لال یونیورسٹی دہلی لکھتی ہیں:۔

''حیف آتا ہے ان لڑکیوں پر کہ ان کی وہ عزت و عفت جو انمول ہے جسے وہ ایک غیر انسان کے بہکانے اور محبت بھری باتوں سے چند لمحوں کی لذت اور جھوٹے وعدے کے بھروسے گنوانے پر آمادہ ہو جاتی ہیں، ایسی صورت میں لڑکوں کا کچھ نہیں بگڑتا، ہاں لڑکیوں کی عزت کو گرہن ضرور لگ جاتا ہے، ایسے حالات میں یہ کہنا کسی طور پر مبالغہ نہیں کہ ان احمق لڑکیوں سے اچھی تو وہ لڑکیاں ہیں جو کھلے عام اپنی عزت و آبرو کا سودا کرتی ہیں اور اس کے عوض میں پیسے لیتی ہیں، وہ لڑکیاں جو کسی غیر نوجوان کی محبت کے شکنجے میں جکڑ کر چند لمحے کی لذت و خوشی کے لیے اپنی قیمتی و نایاب عزت کو اپنی مرضی سے بغیر کسی مجبوری کے، کسی دباؤ کے گنوانے

پر آمادہ ہو جاتی ہیں، ان کی عقل پر ترس آتا ہے۔

آج کل کے بچے اگر نوجوانی میں قدم رکھ چکے ہیں تو مجنوں تو بن ہی جاتے ہیں، مگر برائی فقط ان کے مجنوں بننے میں نہیں ہے، برائی ان کی مجنونیت سے پیدا شدہ اثرات میں ہے، محبت کوئی بری شئے نہیں، برائی محبت کے بعد آپس میں اس قدر قربت پیدا کر لیتے ہیں کہ بس وہ اپنے درمیان اتنا ہی فاصلہ رکھتے ہیں جہاں قربت کی انتہا ختم ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں کسی بھی کالج یا یونیورسٹی یا پھر حد یہ ہے کہ اسکول کی لڑکیوں کو بھی محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا، سوال یہ ہے ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا یہ حالات بدل نہیں سکتے؟ آخر یہ خیالات ہمارے مشرقی ذہن میں کیسے حلول کر گئے؟ ہم کیوں ان کی برائیوں کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں؟ ان برائیوں کو دور کرنے کی حتی الامکان کوشش کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ (٦١)

کھلی آنکھوں سے معاشرے کی کھلی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا ہر حساس ذہن محسوس کر رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے، نوجوان لڑکے لڑکیاں کیا کیا گل کھلا رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ حساس ذہن اور قلم کار ایک رسم نبھا رہے ہیں ورنہ برائیوں کے وہ وہ طریقے ایجاد کر لیے گئے کہ ان کو دیکھنے اور سننے کے بعد بھی قلمکار برائیوں کے ان طریقے کو نہیں لکھ سکتا ہے، اور ان برائیوں کے کرنے میں کوئی طبقہ باقی نہیں ہے کیوں کہ تمام طبقے میں سفلی خیالات کے لوگ موجود ہیں، اب تو تعلیم کے نام پر بیشتر لڑکے اور لڑکیاں گھروں سے نکل کر تعلیم گاہ کا رخ کرتے ہیں تو وہ کتابوں کی پڑھائی کم کرتے ہیں، عشق و محبت کی پڑھائی پر زیادہ دھیان دیتے ہیں، بلکہ بعض لڑکے لڑکیاں تو صرف عشق و محبت کے لیے تعلیم گاہ میں جاتے ہیں، ایسی حالت میں برائیوں کے ٹھاٹھے مارتے سمندر کو دیکھ ہر غیرت مند کی پریشانی بڑھ جاتی ہے، چنانچہ انہیں برائیوں کے پیش نظر مسرور صغریٰ صاحبہ نے سوال اٹھایا ہے کہ ''سوال یہ ہے ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا یہ حالات بدل نہیں سکتے؟''۔

اس سوال پر راقم یہی کہے گا کہ حالات ضرور بدل سکتے ہیں، ہمارا معاشرہ ضرور پاک ہو سکتا ہے، نوجوان لڑکوں کے خیالات میں صالح جذبہ ضرور جنم لے سکتا ہے، لڑکیوں کی عفت و عصمت ضرور بچ سکتی ہے، شرط ہے کہ اسلام نے زندگی گزارنے، معاشرے میں رہنے، تعلیم حاصل

کرنے، لڑکیوں اور عورتوں کو عصمت کی حفاظت کرنے ،لڑکوں اور مردوں کو پاک رہنے کے جو اصول بتائے ہیں، اسے اپنایا جائے، بتایا جائے، اسلامی قوانین کا نفاذ ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ امید قوی ہے کہ ہمارا معاشرہ برائیوں سے پاک ہو جائے گا۔

بے حیائی کی انتہا

جدید نسل کے اندر سے حیا ختم ہوتی جارہی ہے، بے حیائی اپنے انتہا کو چھورہی ہے، جب کہ حیا کو ایمان کا حصہ اور خیر بتایا گیا ہے، مگر دیکھا جارہا ہے کہ مسلمانوں کے اندر سے حیا نکلتی جارہی ہے، تعلیم کے معاملہ میں جدیدیت پسند مسلمانوں نے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر کے یہود و نصاریٰ کی بولی بولتے، اسلام وقرآن، فرائض وواجبات وسنن کے خلاف بکتے، دہریہ پن کا اظہار کرتے، مرتد ومنافق بنتے، خدا بیزاری کی روش اپناتے، یہود ونصاریٰ کے رنگ میں رنگ کر، بے حیائی کے غار میں ایسے گرتے جارہے ہیں کہ اپنی بیوی کو دوستوں کے پاس جانے پر مجبور کرتے ہیں، ایسے مسلمانوں کو دیکھ کر یہود ونصاریٰ ہی نہیں بلکہ ابلیس لعین بھی شرما جاتا ہے، ۸ر ستمبر ۲۰۱۱ر کے اخبارات میں ''کٹھور'' اتر پردیش کی ایک ایسی ہی خبر شائع ہوئی کہ ایک مسلمان ڈاکٹر نے اعلیٰ تعلیم یافتہ اپنی بیوی کو ہم بستری کے لئے اپنے چار دوستوں کے سامنے پیش کر دیا، عورت کے مخالفت کرنے پر اس کی بے رحمی سے پٹائی کی گئی اور اس کے کپڑے پھاڑے گئے اور کپڑے سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا اور اسے مردہ سمجھ کر چلتی گاڑی سے پی وی ایس کے سامنے پھینک دیا جہاں پر وہ گھنٹوں سڑک کے کنارے پڑی رہی، پولس آئی خاندان اور کنبہ کے لوگ آئے، لڑکی کو اسپتال میں داخل کیا گیا، لڑکی کو ہوش آیا تو اس نے جدید ترقی پسند شوہر کے راز کو عیاں کیا جسے سن کر لوگ حیرت زدہ رہ گئے، مغرب کی تقلید کا اثر مشرق والوں میں آیا تو حیران ہونے کی بات نہیں ہے، تقلید اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہے، ایسی تعلیم سے جاہل رہنا ہی بہتر ہے۔

معاشرے میں برائیوں کے اڈے

آج ہمارے مشرقی معاشرے میں جدیدیت کے دلدادہ دولت بٹورنے کے لیے ہر جگہ لڑکیوں اور عورتوں کو مہرہ بنا کر آگے رکھتے ہیں، بڑے اداروں کو تو چھوڑ دیجئے ایک چھوٹا سا آفس کھولنے والا بھی اشتہار شائع کرتا ہے کہ ہمارے آفس میں کام کرنے کے لیے آئی اے۔ بی

اے۔بی کوم۔ایم اے۔ایم کوم کی ہوئی خوبصورت، حسین، مسکرا کر باتیں کرنے والی چھریرے بدن والی لڑکی کی ضرورت ہے، بیئر باروں میں ڈانس، مجرا،اور ساقی کے لیے لڑکیوں کا ہی انتخاب کیا جاتا ہے،کلرک ،آفس بوائے کے لیے لڑکیوں کو ہی دعوت دی جاتی ہے، بورڈنگ ہوٹل اورلوج میں گاہکوں کولڑکیاں فراہم کرنے کا دھندا بھی عروج پر ہے، بیوٹی پالر میں لڑکیوں کو اکٹھا کر کے ان کو پھر جسم فروشی کے دھندے میں لگادینے کے پچاسوں واقعات منظرعام پر آچکے ہیں، جہاں دیکھئے جس جگہ دیکھئے لڑکی کی ہی مانگ ہے، مانگ اس لئے ہے کہ تاکہ حسین چہرے کو دیکھ کر دوکانوں اورآفسوں کی جانب گاہکوں کا جھکاؤ زیادہ سے زیادہ ہو،کوئی لڑکی پیٹ کے لیے،کوئی دولت کے لیے، کوئی تعلیم کی قیمت وصول کرنے کے لیے،کوئی ساس اورنند سے جان چھڑانے کے لیے،کوئی سونے کے زیورات بنوانے کے لیے،کوئی بنک بیلنس کے لئے،کوئی تنہائی کودور کرنے کے لئے،ایسی جگہوں پر ملازمت اختیار کرلیتی ہے، جہاں بیشتر جگہوں پر دولت کی چکا چوند دکھا کر، مالدار بنانے کی امیدیں دلا کر، کنواری لڑکیوں کوشادی کالالچ دے کران کو ہوس کا شکار بنانے والے لوگ بھی موجود ہیں ،جوان تو جوان اب بچے بھی وہی حرکت کرنے لگے ہیں جو جوان کرتے ہیں، چنانچہ معاشرے کی ایسی وبا دیکھ کرمحمد صابر چودھری نے اپنے ایک مراسلہ میں لکھا ہے:۔

وقت سے قبل جوانی

”چھوٹے بچوں کا بچپن بالغ ہونے سے قبل ہی ختم ہوتا نظر آرہا ہے، بچے اب کم عمر میں ہی بالغانہ حرکت کرتے نظر آتے ہیں جو کہ قابل مذمت ہے اورسماج میں وقت سے پہلے برائی فحاشی اور بلاجواز حرکتیں مستقبل میں مانع بننے والی ہیں،آج کل تجربہ کے مطابق گیارہ سال کی عمر کے لڑکے لڑکیاں بالغ ہونے کی مثال پیش کررہے ہیں، جنسی کام بیس سال کی عمر کے نوجوان لڑکے اورلڑکیوں کے لئے ہوتا ہے، وہ سب جنسی حرکتیں نوعمر کی لڑکیاں اور لڑکے دھڑلے سے کرتے ہیں، بلکہ سرراہ ،سڑکوں پر، گلیوں میں، اسٹیشنوں، بس اسٹاپ پر بوس کنار ہوتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے، یہ حرکت دیکھ کر مہذب سماج کے لوگوں کے سرشرم سے جھک جاتے ہیں، یوپی میں ایک مرتبہ میرٹھ کے گارڈن میں آپریشن مجنوں کیا گیا تھا، میرے خیال میں پولس نے وہ آپریشن بالکل درست کیا تھا، بروقت کیا تھا، ایسا

ہی آپریشن ہندوستان میں ہر جگہ ہونا لازمی ہے، اب ان نابالغ لڑکے لڑکیوں کو اپنے پسند کا چست وتنگ لباس چاہیئے، بیوٹی پالر میں جاکر میک اپ اور دیگر لوازمات کرانا اچھا لگتا ہے، ماں باپ اس طرف دھیان نہیں دیتے اور نا ہی ان نازیبا حرکتوں سے منع کرتے ہیں، علاوہ اس کے ماں باپ دن بھر گھر سے باہر نوکری کرتے اور بچے نوکرانی کے زیر سایہ رہتے ہیں، دن بھر ٹی وی دیکھتے رہتے اور ٹی وی کی ہر برائی اور عریانیت کو اپنا لیتے ہیں، اگر اسکول میں پڑھنے جاتے بھی ہیں تو وہاں بھی وہی نازیبا حرکات وسکنات کرتے ہیں، فحش کلامی بھی کرتے رہتے ہیں، کچھ دنوں میں ہندوستان فرنگیوں کی تہذیب کا سب سے بڑا گہوارہ بن جائے گا اور لڑکے لڑکیاں کپڑا پہنے ہوئے بھی ننگے نظر آئیں گے، حکومت نے اب شادی کی عمر ۱۸ رسال مقرر کردی ہے، مگر عجیب نہیں کہ کچھ دنوں بعد حکومت کو شادی کی عمر ۱۰۔۱۱سال مقرر کرنی ہوگی، چونکہ لڑکے اب گیارہ سال میں ہی اپنے کو بالغ سمجھنے لگے ہیں جو کہ ملک وسماج کے لئے خطرناک وغضبناک ہوگا، نابالغ لڑکے چھپ کر، دارو، اور دیگر نشہ چرس، گانجہ، گردوغیرہ پیتے ہیں اور اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ رات دیر تک گزار کر گھر واپس لوٹتے ہیں اس درمیان جسمانی تعلقات بھی قائم کر لیتے ہیں جو حرکت بالغ لوگوں کے لئے موزوں تھی وہی حرکت اب نابالغ بھی کرنے لگے ہیں، بالوں کو سنہرا بنانا اور میک اپ کر کے اپنے کو دلکش جاذب النظر بنانا ان کا مشغلہ بن گیا ہے، بچے ماں باپ کو دیکھ کر ہی ایسا عمل کر رہے ہیں چونکہ ماں بھی چست وعریاں لباس ہی زیب تن کرتے ہیں، ہماری تہذیب خود اپنے خنجر سے خودکشی کر رہی ہے" (۶۲)

قلم کار مصور ہوتا ہے، جو کچھ سماج ومعاشرے میں دیکھتا ہے اسی کی تصویر کشی کرتا ہے، ہمارے معاشرے کے لڑکے اور لڑکیوں نے جس ڈھنگ کو، رنگ کو، روش کو، چال چلن کو اپنایا ہے، چودھری صاحب نے اس کی خوب تصویر کشی کی ہے، تصویر کے اس حصہ کو سماج ومعاشرے کا ہر فرد دیکھتا ہے اور دیکھنے کے بعد شرمندہ ہوتا ہے، ایسی حیا سوز حرکتوں کو دیکھ کر بہت سارے والدین اور خویش و اقارب برداشت نہیں کر پاتے ہیں، اپنی ناموس کو یوں لٹتے اور لٹاتے دیکھ کر باپ اپنی بیٹی کو جان سے مار بھی دیتے، آئے دن ایسی خبریں اخبارات میں چھپتی ہیں، اسی قسم کی ایک خبر یہ ہے:

''اتر پردیش کے رائے بریلی ضلع میں ایک باپ نے ظالمانہ رویہ اپناتے ہوئے ناموس کے نام پر اپنی بیٹی کا قتل کر دیا اور عاشق جوان کو جان سے مارنے کی کوشش کی، لیکن جوان بھاگ گیا، ملزم باپ کو پولس نے گرفتار کرلیا ہے، پولس کے مطابق یہ واقعہ ''بھدوکھر'' تھانہ علاقہ کے ''ونوہرا گاؤں'' میں پیش آیا، جہاں........(باپ) نے پیر کی شام کو گاؤں کے باہر کھیت میں اپنی سولہ سالہ لڑکی کو اس کے عاشق کے ساتھ دیکھ لیا، اس کے بعد غصے میں آکر (باپ) نے کلہاڑی سے اپنی بیٹی کا قتل کر دیا، اس نے جوان کو بھی مارنے کی کوشش کی لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا، ایک پولس اہلکار نے منگل کو کہا کہ ملزم (باپ) کو پیر کے دن گرفتار کرلیا گیا، پولس کے سامنے اس نے اپنا جرم قبول کرتے ہوئے کہا کہ بیٹی کے تعلقات اس کے عاشق کے ساتھ ہونے کی وجہ سے سماج میں ہو رہی رسوائی کی وجہ سے اس نے یہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا'' (۶۳) نوٹ۔ اخبار نے ملزم کا نام لکھا، راقم نے نام ظاہر نہیں کیا ہے۔

ایک جرم وگناہ کا دروازہ مختلف جرم وگناہ کے دروازے کو کھولتا ہے، نہ ناموس لٹنے لٹانے کا گناہ ہوتا، نہ قتل کا باب کھلتا، نہ باپ گرفتار ہوتا، نہ جیل جاتا، نہ یہ بات عام ہوتی، زن، زر، زمین کا فتنہ برا ہوتا ہے، تالی دونوں ہاتھوں سے بولتی ہے، اس معاملہ میں صرف لڑکوں پر ہی الزام نہیں رکھ سکتے، لڑکیاں بھی اپنی طرف لڑکوں کو مائل کرنے کے لئے سولہ سنگار کر کے نکلتی ہیں، ان کے والدین بھی اس طرف بالکل دھیان نہیں دیتے ہیں، نتیجہ میں معاشرہ بگڑتا جا رہا ہے، بہت سارے حیاداروں نے انہیں وجوہ کی بنا پر اپنی لڑکیوں کو اسکول اور کالج بھیجنا بند کر دیا، لیکن جن کو عشق کا روگ لگ چکا ہوتا ہے، وہ لڑکیاں موبائیل کے ذریعہ سے اپنے اپنے عاشق کے رابطہ میں رہتی ہیں، ان کی شادی کے دسیوں رشتے آتے ہیں، یہ عشق کی ماری ہر جگہ انکار کر دیتی ہیں، ان میں کی بہت ساری بے باک لڑکیاں اپنی زبان کھولتی ہیں تو کہتی ہیں کہ شادی کروں گی تو اسی سے ورنہ زہر کھا کر مر جاؤں گی، بہت ساری زہر کھا کر کے یا خودکشی کر کے مر جاتی ہیں۔

لباس کے وضع وقطع سے انسان کی پہچان ہوتی ہے

جن بچوں کے ماں باپ تنگ وچست لباس استعمال کرتے اور اپنے جوان لڑکے اور لڑکیوں کو استعمال کراتے ہیں وہ خود سے مصیبت کو دعوت دیتے ہیں، اسلام نے مردوں

عورتوں کے جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے لباس استعمال کرنے کا طریقہ بتایا ہے جو بہت خوب ہے، جدید دور کی بہت سی عورتیں مردوں کے لباس استعمال کرتی ہیں لیکن جسم کی بناوٹ کے لحاظ سے عورتوں کے لئے یہ لباس قطعی غیر مناسب ہیں، وجہ یہ ہے کہ مردوں کے لباس سے عورتوں کے جسم کی پردہ پوشی نہیں ہوتی ہے اور بہت سی عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں کہ وہ لباس نہ تو مردوں کے ہیں نہ عورتوں کے! وہ لباس یوروپ و امریکہ کی دین ہے، جو لباس کے نام پر چند ٹکڑے ہوتے ہیں، لباس کی وضع و قطع سے انسان کے عزت دار باوقار اور منچلا و بیہودہ و اوباش ہونے کا پتہ چلتا ہے، اب یقینی بات ہے کہ مسلمان لڑکیاں اور عورتیں جو لباس پہن کر نکلتی ہیں، منچلے اسے دیکھ کر بھانپ جاتے ہیں اور چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتے ہیں، اس تعلق ایک مراسلہ ملاحظہ کیجئے :

"میری دوکان پر دو لڑکیاں بقر اعید کے لئے پلاسٹک تھیلی اور سیخ کباب کا مسالہ خریدنے آئیں اور کہنے لگی انکل دو لڑکے ہم لوگوں کو چھیڑ رہے ہیں، میں نے ان سے کہا یہ کپڑے جو تم پہن رکھے ہیں ٹی شرٹ پینٹ کس نے دلائے؟ کہنے لگیں ممی نے لا کر دیا ہے"

لڑکیوں کی فریاد، ان کے لباس اور ان کے جواب پر مراسلہ نگار جناب آصف پلاسٹک والا کا تبصرہ بھی پڑھ لیجئے:

"آج کل مائیں الٹے سیدھے کپڑے بچیوں کو پہناتی ہیں جس سے جسم جھلکتا ہے، اور وہ لباس پہن کر بھی بے لباس نظر آتی ہیں، آنچل کا کہیں پتہ نہیں، پورا جسم لوگوں کو دعوت بد نگاہی دیتا ہے، کپڑے دن بدن چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے بازار میں کپڑوں کی قلت ہو یا پھر کپڑا ملوں میں ہڑتال ہے یا خود ایسے کپڑے پہنتی ہیں جس سے آوارہ اور اوباش لڑکوں کو انہیں چھیڑنے کا موقع ملتا ہے اور کبھی تو اس سے آگے بڑھ کر وہ شیطانی فعل انجام پا جاتا ہے جس سے وہ لڑکی معاشرے میں اپنا عزت وقار کھو دیتی ہے اور سماج کو بھی سبکی برداشت کرنا پڑتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ "جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہئے، سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک، اس طرح کی کئی حدیثیں ہماری رہنمائی کے لئے حدیث کی کتابوں میں مل جائیں گی، کیا ہم اور ہماری مائیں اور بہیں بیٹیاں اس سے سبق لینے اور دنیا اور آخرت کی سعادتیں سمیٹنے کے لئے تیار ہیں؟ یا

غیروں کی تقلید کر کے انہیں کی طرح ہم بھی بے آبروئی برداشت کرنے والے بے غیرتوں کی فہرست میں اپنا نام درج کروانا چاہتے ہیں"(۶۴)

عقل والے لوگ گھر مکان اور دوکان میں دروازے اور اس میں تالے مضبوط لگاتے ہیں تاکہ چور مضبوط دروازے کو توڑنے اور قفل کو کھولنے نہ پائے، لیکن جب عورت اور لڑکی کی باری آتی ہے تو یہی عقل والے بے عقل بن جاتے ہیں کہ صنف نازک کے لئے ایسے کپڑے لاتے یا ان کو لینے کے لئے کہتے ہیں کہ جسے پہن کر صنف نازک ننگی ہی رہتی ہیں، دوکانوں میں مضبوط قفل اور عصمت وعفت پر باریک جالی دار کپڑے یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟ ادھ کھلے بدن سے لڑکیاں بازاروں میں نکلیں گی تو عفت وعصمت کے ڈاکوں ڈکیتی نہیں کریں گے تو کیا ان کو کپڑے پہننے کی ہدایت کریں گے؟ چور دوکانوں میں کمزور دروازے دیکھ کر چوری کرتے، مضبوط دروازے لگانے کی ہدایت نہیں کرتے، اسی طرح سے مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو ہوشیار ہو جانا چاہئے کہ ان کے ادھ کھلے بدن کو دیکھ کر عصمت کے ڈاکو ان کو پورا لباس پہنے کی ہدایت نہیں کریں گے بلکہ وہ اپنا مقصد پورا کریں گے، اور مزید غور کرنا چاہئے کہ فسادات اور دنگے کے زمانہ میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبکے رہتے ہیں، باہر نکلنا موت کو دعوت دینا ہے، کوئی بیوقوف بھی دنگے میں باہر نہیں نکلتا ہے، اسی طرح یہ دور برائیوں کا دور ہے، ہر طرف لچے لفنگے اور عیاش گھومتے، تاک میں لگے رہتے ہیں اور موقع پاتے ہی عورتوں اور لڑکیوں کو اٹھا لیتے اور ان کی عصمت دری کرتے ہیں، تین سالہ بچیوں سے لے کر ساٹھ سالہ عورتیں تک زنا بالجبر کی شکار ہوتی ہیں، ایسے دور میں عورتوں کو بہت احتیاط کرنا چاہئے، اپنے گھر کے اندر عزت سے رہنا چاہئے، اگر کسی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو پردے کا معقول خیال رکھنا چاہئے، لڑکیوں کو بھی اسکول، کالج، یونیورسٹی اور بازار جاتے وقت پردے کی ہدایت کرنی چاہئے، عاقل اور ہوشیار شکاری شیر اور چیتے کا شکار کرتا ہے، غافل شیر اور چیتے کا شکار ہو جاتا ہے، دین اور عصمت کے دشمنوں کے جیسے لباس سے قطعی پرہیز کرنی چاہئے، لڑکیوں اور عورتوں کو ایسے لباس میں دیکھ کر ان کے تئیں لوگوں کے اچھے خیالات نہیں ہوتے، منچلے ان کو چھیڑتے ہیں تو بتائیے کہ قصور کس کا ہے؟

کم کپڑے پہنا کم اہلیت کی نشانی ہے

اسلام نے مردوں اور عورتوں دونوں کو پورا جسم چھپانے، مردوں کو سر پر ٹوپی پہننے اور عمامہ باندھنے، عورتوں کو سر پر دوپٹہ رکھنے، اسکاف باندھنے کی تاکید کی ہے، جس میں بہت سارے راز پنہاں ہیں، ان رازوں کو جاننے کے لے سائنسداں گاہے گاہے تحقیق کر کے کبھی اسلام کے حوالے سے اور کبھی اسلام کو کنارے رکھ کر اپنی باتوں کا اعلان کرتے ہیں کہ اسلام نے یہ چیزیں کرنے کے لئے کہا ہے تو ان میں یہ خوبی ہے، ان سے یہ فائدے ہیں، ایسا کرنے سے یہ ہوتا ہے، ایسا نہ کرنے سے یہ یہ بیماریاں ہوتی ہیں وغیر ہم، سائنسداں کبھی اسلام کی روشنی میں تحقیق کر کے اسلام کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تحقیق کا اعلان کرتے ہیں، بہر حال نومبر ۲۰۱۱ء میں سائنسدانوں کی ایک تحقیق کم کپڑا پہنے والوں سے متعلق آئی، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ''کم کپڑا پہننے والوں کی اہلیت بھی کم ہوتی ہے، گویا کہ کم کپڑے پہنا، آدھے جسم کو چھپانا اور آدھے جسم کو عریاں رکھنا، سائنس کی نظر میں بھی معیوب، کم عقلی اور کم اہلیت کی دلیل ہے۔

اسلام نے کم کپڑے پہننے والی عورتوں کو بے حیا، بے غیرت اور بے شرم بتایا تو یہ بھی مضبوط و مثبت تحقیق ہے، چونکہ عام مسلمان اسلام کی باتوں کو نہیں جانتا ہے اور دنیا بھر کی تہذیب کے دریا میں بہتا چلا جا رہا ہے، اس سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس مذہب اور معاشرے کا آدمی ہے، مردوں سے بدتر حالت تو عورتوں کی ہے، اور تو اور پہچان میں نہیں آتیں کہ شگفتہ ہے یا شرمیلا؟

کم کپڑے پہننا کم اہلیت کی نشانی ہے، دیر سے ہی سہی اگر سویا ہوا احساس جاگ جاتا ہے تو بڑی اچھی بات ہے، برائیوں کو روکنا اور اس کے منبع کی طرف توجہ نہ کرنا برائیوں کو بڑھاوا دیتا ہے، اسلام نے منبع کی طرف توجہ فرمائی اور کامیاب ہو گیا، موجودہ دور کی خواتین جس قسم کا لباس استعمال کرنے پر اتر آئی ہیں، یہ برائیوں کو بڑھاوا دینے والا لباس ہے، جس کا احساس عام لوگوں کو بھی ہے، لیکن لوگ زبان نہیں کھولتے ہیں، کرناٹک کے وزیر برائے اطفال و خواتین فلاح، سی سی پاٹل نے کہا:

سی سی پاٹل وزیر برائے اطفال و خواتین کا بیان

''ہبلی (ایجنسیاں) آندھرا پردیش کے ڈی جی پی کے بعد اب کرناٹک کے ایک وزیر بھی خواتین کے ماڈرن لباس پر تنقید کرنے لگے ہیں، کرناٹک کے خواتین و اطفال فلاح کے

وزیر سی سی پاٹل خواتین کے لباس کو لے کر اخلاقی درس دینے لگے ہیں اور پولسنگ انداز اپنا نے لگے ہیں۔

کرناٹک کے وزیر پاٹل کا کہنا ہے کہ خواتین کو یہ پتہ ہونا چاہئے کہ انہیں کس حد تک اپنا بدن چھپانا ہے اور انہیں کس حد تک بے حجاب ہونا ہے، وزیر نے کہا کہ میں ذاتی طور پر خواتین کی خواہش نفسانی کو مشتعل کرنے والے کپڑے پہننے کے حق میں نہیں ہوں، مجھے ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ خواتین کا ایک وقار ہونا چاہئے، وہ ایسا لباس پہنیں جس میں وہ پُر وقار لگیں، پاٹل نے یہ بات اس وقت کہی ہے جب ان سے آندھرا کے ڈی جی پی دنیش ریڈی کے بیان پر سوال کیا گیا، آندھرا کے ڈی جی پی دنیش ریڈی نے کہا تھا کہ فیشن ایبل اور جسم کی نمائش کرنے والے لباس پہننے سے خواتین کی عصمت دری کے واقعات بڑھتے ہیں، اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پاٹل نے کہا کہ عصمت دری اور جنسی استحصال کے واقعات تب زیادہ بڑھتے ہیں، جب مردوں میں اخلاقی زوال آتا ہے اور مردوں میں یہ اخلاقی زو ال تب آتا ہے، جب خواتین اشتعال انگیز اور عریاں لباس پہنتی ہیں، وزیر نے کہا آج کل کا لائف اسٹائل ایسا ہو گیا ہے کہ خواتین کو مردوں کی طرح کام کرنا بھی ہوتا ہے، خواتین رات کو آئی ٹی کمپنیوں اور کال سینٹرس میں کام کرتی ہیں، خواتین کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ ان جگہوں پر کام کرنے کے لئے جب گھر سے نکلتی ہیں تو اپنے جسم کو کتنا ڈھک کر چلتی ہیں، اس لئے میں ان کے لباس کا معاملہ انہی پر چھوڑتا ہوں۔

وزیر موصوف نے اگر چہ خواتین کی ڈریس کوڈ کی وکالت نہیں کی، لیکن یہ ضرور کہا کہ بازار میں دھڑلے سے بکنے والی جنس عورتوں کو نہیں پہننی چاہئے، اس کے علاوہ انہوں نے کہا کہ الگ الگ تہذیب و تمدن سے خواتین کا تعلق ہے، کسی کلچر میں اسکرٹ پہنا جاتا ہے، تو کہیں پر ساڑی پہنی جاتی ہے، بازار میں لو ویسٹ جنس بھی آسانی سے دستیاب ہے، لیکن عورتوں کو سو چنا چاہئے کہ کونسا لباس خریدیں گی جوان کے لئے محفوظ ہوں، انہوں نے کہا کہ ہندوستانی تہذیب میں صدیوں سے خواتین کو قابل فخر مقام اور اسٹیٹس ملا ہے، کئی شکل میں عورت کی پوجا ہوتی ہے، ندیوں کے نام عورتوں کے نام پر ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان

میں عورتیں کتنی قابل تعظیم ہیں"(٦٥)

وزیر کرناٹک سی سی پاٹل نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں کہی ہے بلکہ اسلام کا نام لئے بغیر اسلامی تعلیمات ہی کا اعلان کیا ہے،لوگ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں اور قوانین کو اپنالیں تو معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

عزت بھی جاتی اور ایمان بھی جاتا ہے

تالی ایک ہاتھ سے نہیں دونوں ہاتھ سے بولتی ہے، عشق ومحبت کی داستان ہو یا عصمت لوٹنے لٹانے کا معاملہ اس تعلق سے صرف لڑکوں کو قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے نہ صرف لڑکیوں کو، بلکہ اس معاملہ میں دونوں برابر کے قصوروار ہیں،اس دور جدید میں ایسے واقعات ومعاملات وبا کی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں،کم عمری اور کم سنی میں ہی لڑکے اورلڑکیاں اس ڈگر کو اختیار کر لیتے ہیں، بڑے شہروں میں آج کل مسلم لڑکیا ں کثرت سے غیر مسلم لڑکوں کی محبت میں پھنسی ہوئی ہیں، جو افسوس ناک بات ہے،ایسے معاملے میں عزت تو جاتی ہی ہے،ایمان بھی چلا جاتا ہے،آخر مسلمان لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے عشق کر کے ان سے شادی کیوں کر لیتی اوران کے ساتھ رہنے پر رضا مند کیسے ہو جاتی ہیں؟

اس تعلق سے لوگوں کے مشاہدات ہیں کہ جو مسلمان ،غیر مسلم آبادی کے درمیان رہتے یا مسلمان آبادی میں رہتے تو ہیں لیکن ان کے یہاں دوستی کے نام پر غیر مسلم لڑکوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے،ایسے اسکولوں اور کالجوں میں مسلم لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا جہاں غیر مسلم لڑکوں کی کثرت ہوتی ہے، جو لڑکیاں ہولی، دیوالی اور ڈانڈیا و دیگر غیر مسلموں کے تہواروں میں شریک ہوتی ہیں،ان کو عشق ومحبت کرنے کا موقع ملتا اور وہ غیر مسلم لڑکوں کے چنگل میں پھنس جاتیں اوران سے بیاہ کر کے ان کے ساتھ رہنے پر رضا مند ہو جاتی ہیں،راقم ان باتوں سے اتفاق کرتا ہے،خود راقم کئی ایسے معاملات کو جانتا ہے کہ مسلمان غیر مسلم کے پڑوس میں رہتے تھے،دونوں فریقوں کے بچے ایک ساتھ کھیلتے ،اسکول جاتے اور ٹی وی دیکھتے تھے،یہ میل جول اور نزدیکی نے محبت کا روپ دھارا ،بلوغت کے بعد عشق اور گرل فرینڈ میں تبدیل ہوا، بلوغت کے بعد ایک نئی خواہش نے انگڑائی لی ،دونوں نے قرب اختیار کر لیا اور ایک ساتھ مرنے جینے کی قسمیں کھا کر شادی کا پختہ ارادہ کر لیا

اور آخر ایک دن ایسا آیا کہ لڑکی نے اپنے والدین سے بڑی بے حیائی سے کہنے لگی کہ میں شادی کروں گی تو اسی پڑوسی غیر مسلم لڑکا سے، اور جب والدین کو تیار نہیں پایا تو لڑکا کے ساتھ لاپتہ ہوگئی، ایک نے کورٹ میں جا کر شادی کرلیا اب ٹھاٹھ سے لڑکا اپنے گھر میں رکھے ہوا ہے، ایک نے شادی کی ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کے بعد لڑکی کو لڑکا نے چھوڑ دیا، اب لڑکی دن میں تارے گن رہی ہے، ایک لڑکی کی ضد پر تو باپ نے خود غیر مسلم سے شادی کردی، ایک لڑکی کو اس کے والدین اس کے عاشق سے چھوڑا کر اپنے گھر لے آئے، لڑکا نے کورٹ میں کیس کردیا، لڑکی کو کورٹ میں حاضر کرنے کا حکم ملا، لڑکی اپنی ماں باپ اور بھائیوں و دیگر اقربا کے ساتھ کورٹ میں پہنچی جج نے پوچھا تم کس کے ساتھ رہوگی؟ لڑکی نے بے دھڑک کہہ دیا، لڑکے کے ساتھ رہوں گی، ایسی لڑکیوں کی عزت بھی جاتی ہے اور ایمان بھی جاتا ہے۔

اس معاملہ میں اسلام سے لاتعلقی بھی بڑا سبب ہے، اگر وہ اسلام کے مسائل وقوانین کو جانتیں تو ایسا نہیں کرتیں، ایسی لڑکیوں کے ماں باپ جب اسلام سے لاتعلق ہیں تو ان کے بچے اور بچیاں اسلام کو کیا جانیں، اسلامی اصولوں وقوانین کا جاننا مسلمانوں کے لئے لازمی وضروری ہے، جس نے اسلامی اصولوں کو جانا اپنی عزت وعصمت کی قدر کی اور دوسروں کی عفت وعصمت کی قدر کو سمجھا، ورنہ عیاش واوباش بن کر پھرتا رہا، لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دینی واسلامی تعلیم سے لیس کریں۔

اسلامی اصولوں وقوانین سے لاعلمی اور خوف خدا کی کمی کی بنیاد پر آج مشرقی معاشرہ وحشیوں کا معاشرہ بن کر رہ گیا ہے، شہوانیت نے شیطانیت کا وہ کھیل جاری کردیا ہے، جسے پڑھ کر اور سن کر شرمندگی سے سر جھک جاتا ہے، آئے دن اخباروں کی جلی سرخیوں میں خبریں شائع ہوتی ہیں کہ باپ نے بیٹی کے ساتھ گیارہ مہینے، اور پندرہ مہنے تک منھ کالا کرتا رہا، باپ نے بیٹی کے ساتھ منھ کالا کر کے بیٹی کو حاملہ بنا دیا، تین بچے کی ماں فلانی اپنے سگے بھانجے فلاں کی محبت میں گرفتار ہے، ماموں نے اپنی سگی بھانجی کی عصمت دری کی، بھانجے نے ممانی کو لے کر بھاگ گیا، ایسی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی حد سے بہت آگے نکل چکا ہے، کہا جاتا ہے کہ پہلے زمانے میں شہزادوں اور شہزادیوں کو ہر گناہ کے لئے کھلی چھوٹ ہوتی تھی، اگر ان کے درمیان

ہیں کوئی حائل ہوتا تو وہ یا تو اس کو ڈانٹ کر بھگا دیتے یا اس کی گردن مروا دیتے تھے، کچھ ایسا ہی اس زمانے میں دیکھنے کو مل رہا ہے، ہر آوارہ، عشق کا مارا، نفس امارہ کا ستایا، شہزادہ بنا ہوا ہے، لڑکیاں شہزادی بنی ہوئی ہیں، ان کے درمیان اگر کوئی حائل ہوتا ہے چاہے اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو، فوراً جواب دے دیتا ہے، دے دیتی ہے، زیادہ باز پرش کرنے یا لگام کسنے پر اپنی راہ سے ہٹا دیتا اور ہٹا دیتی ہے، یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ اخبارات میں ایسی خبریں آتی رہتی ہیں۔

یہ خودساختہ شہزادے اور شہزادیاں، اپنے آپ کو ہیر اور رانجھا سمجھنے والوں کو بجا اور بے جا تقریبات میں دیکھئے، بجا تقریب میں شادی ہے اور بے جا کی تو لائن لگی ہوئی ہے، کن کے یہاں؟ مسلمانوں کے یہاں! برتھ ڈے.... فرینڈشپ ڈے.... تھرٹی فرسٹ نائٹ.... ویلن ٹائن ڈے.... کرسمس ڈے.... اور بھی بہت سارے ''ڈے'' اور ''نائٹ'' منائے جاتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے ہر طرح کے پاپ کرنے کی چھوٹ ہے، ساز پر رقص، رقص میں سرور پیدا کرنے کے لئے عریانیت وفحاشیت کے مظاہرے کئے جاتے ہیں، موج و مستی کے داؤ و پیچ دکھائے جاتے ہیں، نیم عریاں بدن کو تھرکا کر ہلڑ بازی کا سماں پیدا کیا جاتا ہے، شراب کے نشے میں شباب کا شباب سے ٹکراؤ اور نازیبا حرکتیں جیسے شیطانی افعال بھی ہوتے ہیں، شہوانیت کو آزاد کر کے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس طرح سے بے حیائی و بے شرمی، بدکرداری اور بداخلاقی کے بازار گرم کئے جاتے ہیں، بازار میں باپ بیٹے، ماں بیٹی، بھائی بہن، خویش واقارب سب ہوتے ہیں، لیکن غیرت کسی کو نہیں آتی ہے، غیرت ہو تب تو غیرت آئے، ان میں وہ بھی ہوتے ہیں جو شادی کی تقریب میں میلاد وقیام اور سلام کو ناجائز، حرام اور بدعت کہتے ہیں، شادی کے دن سے ایک دن قبل کی شب کو رات جگگا کے طور پر مناتے ہیں، میلاد نہیں کرتے کہ یہ کام ان کے یہاں ناجائز، حرام اور بدعت ہے، مگر اس رات میں نوشامیاں کو بیسوں قسم کے سوٹ پہنا کر، اور اس کے دائیں اور بائیں کھڑا کر کے محرم وغیر محرم کی تصویریں اترواتے ہیں، یہ سب کو جائز سمجھتے ہیں۔

خدا دین لیتا ہے تو عقل چھین لیتا ہے

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ ان ڈیوں کو منانے کے لئے بڑے بڑے ہوٹل، ہال، گرجا، میدان، ریسٹورنٹس، پانچ ستارہ، تین ستارہ ہوٹل کے بک کرانے پر خطیر رقم خرچ کی جاتی

ہے، زندگی کی کمائی کا قیمتی سرمایہ ایک ڈے یا نائٹ میں لٹا دیئے جاتے ہیں، اور ان میں سے بیشتر شادیوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ دو مہینے، چار مہینے، چھ مہینے یا سال بھر کے بعد جدائی ہوگئی، خدا خیر کرے۔

فیس بک کیا ہے اور فیس بک پر کیا ہوتا ہے؟

پہلے کھیت کھلیان، سڑک میدان اور جنگل و پارک میں چوری چھپے جو کچھ ہوتا تھا، شہروں اور دیہاتوں میں بدمعاش لوگ مساجد و مقابر کی بے حرمتی کر کے مذہبی منافرت پھیلاتے تھے، اب سماجی رابطے کی ویپ سائٹ فیس بک (facebook) کے ذریعہ سے یہ سارے کام انجام دیئے جاتے ہیں، فیس بک پر عشق، پیار، محبت سب کچھ ہوتا ہے، مذہبی منافرت بھی پھلائے جاتے ہیں، لوگوں کی پگڑی بھی اچھالی جاتی ہے، بدنام بھی کیا جاتا ہے، لڑکیوں اور عورتوں کی فحش سی ڈی بنا کر فیس بک پر لوڈ بھی کئے جاتے ہیں، لڑکیاں اور عورتیں دوستی کے نام پر اپنی تصویریں فیس بک پر لوڈ کرتی ہیں، انٹرنیٹ کے اس گھناؤنے کھیل کا نام ''سوشل نیٹ ورک فیس بک'' ہے، سائنس کی یہ ایجاد گھر بیٹھے برائی، لڑائی، فتنہ وفساد پھیلا رہی ہے۔

نومبر ۲۰۱۱ء کے دوسرے عشرے میں ''مینک رائے'' نامی نوجوان نے خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی بے حرمتی فیس بک کے ذریعہ سے کی، نتیجہ میں متعدد شہروں میں جلوس نکالے گئے، کشیدگی پیدا ہوئی، پتھراؤ ہوئے، لاٹھی چارج ہوئی، توڑ پھوڑ ہوئے، سیاسی نمائندوں اور نوجوانوں کو پولس نے گرفتار کیا، بیٹھے بیٹھائے، سماج میں آگ لگائی گئی اور لگائی جاتی ہے، مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے اب یہ طریقہ بھی بڑھتا جارہا ہے، تعصب بے لگام ہوتا جارہا ہے۔

نوجوانوں میں نشہ کی عادت

اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر اس چیز سے پرہیز کی دعوت دی ہے، جو جسمانی اور روحانی طور پر مضر ہے، صحت مند آدمی اچھا ہوتا ہے، بیمار آدمی پورے کنبہ کو بیمار بنا دیتا ہے، نشہ کرنے والے کی صحت خراب ہوجاتی، جسم لاغر ہوجاتا ہے، نشہ کرنے والے دُور ہی سے پہچانے جاتے ہیں، اس کے چہرے کی رونق ختم ہوجاتی اور بدن کی بناوٹ بگڑ جاتی ہے، بدن کا گوشت گل جاتا، چڑ چڑا پن اس کی عادت ہوجاتی ہے، اس بنا پر نشہ خور اپنی بیوی، بچوں، ماں باپ اور کنبہ والوں سے اکثر لڑتا

رہتا ہے، نشہ خوری کی عادت والا ظاہری طور پر زندہ رہتا ہے لیکن باطن میں وہ مردہ ہوتا ہے، اس کی روحانیت مرجاتی، اچھے برے کی تمیز اس سے ختم ہو جاتی ہے، سماج و معاشرے میں اس کا وقار گھٹ جاتا، اس پر کوئی اعتبار نہیں کرتا، نہ کوئی اس کی عزت کرتا ہے، نہ اس کو مذہب سے محبت ہوتی، نہ معاشرے سے پیار ہوتا ہے، نشہ خور کی عقل بگڑ جاتی اور وہ نشہ کے پیچھے اپنا مال برباد کر دیتا ہے، وہ کمانے کے لائق نہیں رہ جاتا، کمزوری ولاغری اور نکماپن کی وجہ سے وہ چور بن جاتا، بھیک مانگتا اور جوا کھیلتا ہے، کئی شرابیوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ شراب پینے کے لئے مسجد میں پہنچتے اور اعلان کرتے ہیں کہ مجھے فلاں بیماری ہوگئی ہے یا میری ماں بیمار، بیوی اسپتال میں، بیٹی کی کڈنی خراب ہوگئی ہے ان کا علاج کروانا ہے، میری مدد کیجئے، لوگ ان کی مدد کرتے ہیں اور وہ پیسے لے کر شراب خانے میں جا کر شراب پی جاتا ہے، بہت سے نالائق تو شراب پی کر مسجد میں آتے اور اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ فلاں مجبوری ہے، مسلمان بھائی ہماری مدد کریں، شراب کی بری لت جلدی چھٹتی نہیں ہے، اس لئے شرابی ایسے کام کرتے ہیں۔

لوگ متعدد چیزوں اور ذرائع سے نشہ کرتے ہیں، لوگ ایسے ایسے نشہ اور ایسے ایسے ذرائع سے کرتے ہیں کہ ماضی قریب وبعید میں لوگوں نے اس کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا، نشہ کرنے کی بیماری پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، مغربی ممالک کے لوگ دیگر برائیوں کی طرح نشہ کی برائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، نشہ میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں اور لڑکیاں بھی غرق ہیں، کم وبیش پوری دنیا کی یہی حالت ہے، ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت یو کے میں ۴۰ فیصد، یو ایس اے میں ۳۰ فیصد، پولینڈ میں ۲۵ فیصد نشہ آور اشیا استعمال کرتے ہیں، عالمی برادری کی کل آبادی ۷ سو کروڑ ہے ان میں سو (۱۰۰) کروڑ لوگ نشہ کرتے ہیں، یعنی ہر سات میں سے ایک آدمی نشہ خور ہے، جس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں زیادہ گرفتا ہیں، عالمی برادری کی اس وبا میں مسلمان بھی کثرت سے ملوث ہیں خصوصاً نوجوان نسل برباد ہو رہی ہے۔

حکومت کی جانب سے نشہ آور اشیاء تیار کرنے والی کمپنیوں کو ہدایت ہے کہ پیکٹ پر لکھے کہ یہ اشیاء مضر ہے، لہذا تمباکو سے نشہ آور اشیاء بنانے والے پیکٹ پر لکھ دیتے ہیں،

TombaccoCansesCaner "تمباکو جان لیوا ہے" TombaccoKills

”تمباکو سے کینسر ہو سکتا ہے، اور سگریٹ کے ڈبے پر لکھا ہوتا ہے Cigsrettel is Injurious to Health ”سگریٹ صحت کے لئے مضر ہے“ یہ ایک فارمیٹی ہے جسے دنیا بھر کی کمپنیاں اور حکومتیں نبھا رہی ہیں، اس طریقے پر نشہ کبھی بند نہیں ہو سکتا ہے، اس بات کو حکومتیں خوب جانتی ہیں کہ جب تک منبع کو بند نہیں کیا جائے گا، دھارے پر باندھ باندھنے یا آگاہ کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوگا، اگر دھارے پر باندھ باندھنے یا آگاہ کرنے سے نشہ کرنے والے رکے ہوتے تو نشہ کب کا ختم ہو گیا ہوتا مگر ایسا نہیں ہو سکا۔

☆ شراب: نشہ میں یہ ایک پُرانی بلا ہے، صدیوں سے لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں، اسلام سے پہلے یہ عرب معاشرے میں عام تھی، معدودے چند تھے جو شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، یہ ام الخبائث (یعنی ہر برائی کی جڑ ہے) شراب فتنہ وفساد کی جڑ، قتل وغارت گری کا ذریعہ، بے حیائی وبے غیرتی کا سبب، مال ودولت برباد کرنے کا راستہ، بیماریوں کا باب کھولنے اور عیاں کرنے کی چیز اور زندہ درگور کرنے والی شے ہے۔

آج کل کالج ویونیورسٹی کے بیشتر طلبہ اس کے عادی ہیں، جو طلبہ شراب نہیں پیتے تو پینے والے طلبہ حیرت کرتے ہیں کہ تم شراب نہیں پیتے ہو؟ نہ پینے والا سوال کرتا ہے تم پیتے ہو تو تمہارے پاپا تم کو بولتے نہیں ہیں؟ کئی طلبہ کا جواب ہوتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد پاپا خود پیتے اور مجھ کو بھی پلاتے ہیں، جدید دور میں لوگ کس سرحد پر پہنچ کر دم لیں گے، سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

شراب اور جوا دو خوبصورت بیماریاں ہیں، ان بیماریوں میں عیسائی زمانہ دراز سے گرفتار ہیں، پوری دنیا میں تقریباً تیس (۳۰) قسم کے مذاہب ہیں، مذاہب وسماجیات کے مطالعہ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر تقریباً تمام مذاہب میں شراب جائز، حلال اور معاشرتی طور پر پسندیدہ ہے، اسلام نے شراب کی باطنی خرابی دیکھ کر اس کے پینے پر بالکل قدغن لگا دیا ہے کہ یہ عقل اور مال کو برباد کر دیتی ہے۔

☆ سگریٹ: ☆ بیڑی: سگریٹ انگریزوں کی ایجاد ہے، پہلے اس کو بڑی عمر کے بڑے لوگ پیتے تھے، نوجوان کا پینا معیوب سمجھا جاتا تھا اگر کوئی نوجوان اسے پیتا بھی تھا تو اس طرح چھپا کر کہ کوئی دیکھتا نہیں تھا، اس دور میں تو اسکول، مدرسے کے چھوٹے بچے بھی پیتے ہیں، کالج ویونیورسٹی میں کثر

ت سے طلبہ استعمال کرتے ہیں کچھ طالبات بھی اس مرض میں گرفتار ہیں، یوروپ کی تقلید کرتی نظر آتی ہیں، سینئر طالبات جب سگریٹ پیتی ہیں تو اپنی جونئر طالبات کو بھی پینے کو دیتی ہیں، جونئر کے انکار کرنے پر اسے طمانچہ چڑھاتی ہیں، مشرقی معاشرے کی طالبات کا یہ طریقہ مستقبل میں کیا رنگ دکھائے گا، ایسی طالبات کے بچے کیسے ہوں گے؟

ایک سگریٹ میں اتنا ''نیکوٹین'' یعنی زہریلا مادہ ہوتا ہے کہ ایک سگریٹ کے ''نیکوٹین'' کو نکال کر کسی شخص کو پلا دیا جائے تو وہ مر جائے گا، لیکن دھوئیں کے کش کے ساتھ زہریلا مادہ جلتا رہتا ہے، پھر بھی ''نیکوٹین'' کا کچھ حصہ پینے والے پر اثر انداز ہوتا ہے، آہستہ آہستہ پینے والے کے دل پر اثر کرتا، جس سے کھانسی، ٹی بی اور کینسر کا مرض ہو جاتا ہے۔

بیڑی :سگریٹ کی چھوٹی بہن ہے، دونوں کا استعمال ایک جیسے ایک ہی طریقے سے ہوتا ہے، یہ بھی اپنے استعمال کرنے والوں کے پیچھے بہت ساری بلائیں چھوڑ دیتی اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

☆ تمباکو: امیر و غریب، پڑھا لکھا، جاہل، بچے بوڑھے جوان سبھی کھاتے ہیں، اس کے استعمال کرنے والے بھی متعدد طرح کی بیماریوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں یہ جان لیوا دوست نما دشمن ہے، چنانچہ ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰ ویں صدی میں تمباکو استعمال کرنے والے ۱۰ کروڑ لوگ ہلاک ہوئے، ۲۱ ویں صدی میں ۱۰۰ کروڑ کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے، ایک چھوٹے سے نشہ سے اتنے لوگ مرے اور اتنے لوگوں کے مرنے کا اندیشہ ہی پریشان کن ہے، پھر بھی لوگ تمباکو کھانا نہیں چھوڑتے ہیں، جان سے زیادہ لوگوں کو نشہ عزیز ہے۔

☆ حشیش (بھنگ یا بھانگ) کے تعلق سے بعض علمانے اس کے بارے میں ایک سو بیس دینی و بدنی نقصان شمار کئے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ ہر ایک وہ شے مذمومات کی قسم سے جو خمر میں ہے، وہ حشیش میں موجود ہے اور خمر سے زیادہ ہے، اس لئے کہ خمر کا اکثر نقصان دین میں ہے نہ بدن میں، جب کہ حشیش کا نقصان دین اور بدن دونوں میں ہے، ان نقصان میں سے چند یہ ہیں :۔

(۱) حشیش سے عقل فاسد ہوتی ہے۔

(۲) مروت نہیں رہتی ہے۔

(۳) آدمی برہنہ ہو جاتا ہے، ستر عورت نہیں کر سکتا۔

(۴) نماز ترک کر دیتا ہے۔

(۵) محرمات میں واقع ہو جاتا ہے۔

یہ دینی نقصانات تھے جبکہ بدنی نقصانات بھی ہیں جن میں دین بھی مشترک ہے۔

(۱) حشیش استعمال کرنے والے کی نسل منقطع ہو جاتی ہے۔

(۲) برص ہو جاتا ہے، جذام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) اور بیماروں اور رعشہ اور علت انبہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۴) اس کے منہ سے بدبو آتی ہے۔

(۵) اس کی آنکھوں سے پلکیں گر جاتی ہیں۔

(۶) اس کے دانتوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں اور دانت سیاہ ہو جاتے ہیں۔

(۷) ضیق النفس کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

(۸) اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔

(۹) کبد کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔

(۱۰) شیر کو جعل کی مانند کر دیتی ہے۔

(۱۱) جسم میں کسل پیدا کر دیتی ہے۔

(۱۲) نامردی اور عزت دار کو ذلیل کر دیتی ہے۔

(۱۳) صحیح کو علیل، فصیح کو گونگا اور ذکی کو کلام سے مجبور کر دیتی ہے۔

(۱۴) سعادت کو لے جاتی ہے۔

(۱۵) شہادت کو بھلا دیتی ہے۔

(۱۶) جسم کی رطوبت خشک کر دیتی ہے۔

(۱۷) نسیان پیدا کر دیتی ہے۔

(۱۸) سر میں درد اور منی کو خشک کر دیتی ہے۔

(۱۹) نگاہ تاریک کردیتی ہے۔

(۲۰) اچانک موت پیدا کرتی ہے۔

(۲۱) دق اور سل اور استسقاء پیدا کرتی ہے۔

(۲۲) فکر کو فاسد کردیتی ہے۔

(۲۳) راز کو فاش کراتی ہے۔

(۲۴) حیا جاتی رہتی ہے، غیرت نہیں رہتی۔

(۲۵) کیسہ کو تلف کرتی ہے یعنی روپیہ برباد جاتا ہے۔

(۲۶) اسے استعمال کرنے والا ابلیس کا دوست ہے۔

(۲۷) خون میں حرکت پیدا کرتی ہے اور فطنت کو لے جاتی ہے۔

(۲۸) حشیش کا استعمال کرنے والا سنت سے دور ہے۔

(۲۹) جنت سے راندہ ہے۔

(۳۰) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا موعود ہے یہاں تک کہ ندامت سے اپنے دانتوں پر مارے اور توبہ کرے، اللہ تعالیٰ سے قبول توبہ میں اپنا گمان نیک کرے" (۶۶)

☆ گانجا: افیون: یہ دونوں شراب کی چھوٹی بہن ہے، ان کے مہلک اور مضر اثرات سب سے پہلے دماغ پر پہنچتے ہیں اور یہ عقل کو خراب اور بے حس کردیتی ہیں، یہ سانس کی نالی میں پریشانی پیدا کرتی ہیں، یہ سمجھا جائے کہ سلو پوائزن میں کام کرتی ہیں اور کچھ دنوں میں آدمی کے اندرونی اعضا کو تہس نہس کردیتی ہیں، اس کے قریب نہیں جانا چاہئے بلکہ ہر حال میں اس سے بچنا چاہئے۔ کیوں کہ افیون کا نشہ خیالات کی وادی میں گھوماتا، پست ہمتی اور اخلاقی گراوٹ میں اور بے شعوری بڑھاتا ہے۔

☆ گٹکا: گرد: چرس: ڈرگس: المیک: مینڈر: کورکس: کوریسٹیل: ولم ٹین: بنیکٹر وین ٹین: ٹیرینکس: ریشکاپ: مینیکس: وغیرہ ان میں کی کچھ چیزیں شوق کے نام پر، کچھ وقت گزارنے کے لئے، کچھ دوائی کے طور پر بازار میں دستیاب ہیں، ان نشہ آور اشیا سے اطبا اور سائنسدانوں نے کچھ دوائیاں بنائیں لیکن نوجوان نسل نے ان میں بھی اپنے کام کی چیز ڈھونڈ نکالی، یعنی جو دوا کے طور پر

استعمال کی جاتی تھی نشہ کے لئے استعمال کرنے لگے ہیں اور یہ لعنت معاشرے میں دور تک چادر تان چکی ہے، اس لعنت میں لڑکے ہی گرفتار نہیں بلکہ لڑکیاں بھی کثرت سے ملوث ہیں۔

پارلر ہی پارلر اور کلب ہی کلب

دنیاداروں میں دنیا کمانے کی ہوس اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ دنیا کمانے کے لئے نئی راہ ڈھونڈتے رہتے ہیں جو کام قانونی، سماجی، معاشرتی، رسمی اور عقلی طور پر برے اور گھناؤنے ہیں، جدید دور کے عیار لوگ ان کے نئے نئے نام دے کر لوگوں کی توجہ مبذول کر کے ان سے روپے اینٹھتے ہیں، لیکن ان ہوشیاروں اور عیاروں کو ان کاموں میں کہیں نہ کہیں ٹھوکریں لگتی ہیں تو ان کے راز عیاں ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھوں میں پولس کی ہتھکڑی لگتی، ڈنڈے پڑتے، جیل جاتے، سزا کاٹتے ہیں، لیکن آدمی جب بے غیرت ہو جاتا ہے تو اس کو نہ عزت کی پرواہ ہوتی ہے نہ ہتھکڑی کی، نہ ڈنڈے کا خوف ہوتا ہے نہ جیل کا، سزا کاٹنے اور جرمانہ دینے کے بعد پھر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ بے باک ہو کر وہ اپنے کام کو آگے بڑھاتے ہیں۔

پرانی چیزوں کے نئے نام یہ ہیں کہ پہلے صرف حقہ تھا جو گھروں تک محدود تھا، اب حقہ پارلر (parlor) ہو گیا، یعنی عمدہ گھر، بہترین چیئرس، دل لبھانے والی سجاوٹ کے درمیان گرل فرینڈ کے ساتھ بیٹھ کر حقہ پیو اور روپے دو، پہلے عورتیں خادمہ، دائی، انّا اور آیا سے مالش کرواتی تھیں، مرد نوکر چاکر اور بیٹا و پوتا سے بدن دبواتے تھے، اس کام کو روپئے کمانے کا ذریعہ بنایا گیا تو مساج پارلر کھولے گئے، اس خوبصورت جگہ پر خوبصورت لڑکیاں مردوں اور لڑکوں کے سر اور جسم کا مساج کرتی ہیں، لڑکے اور مرد لڑکیوں کے مساج کرتے ہیں، دولت کی ہوس نے دل میں آگ لگائی تو یہاں لڑکیوں کو جسم فروشی میں پھسادیا گیا، غیر مردوں کا مساج کرنے والیوں کے بھی جسم جلنے لگے تو ہاتھ پاؤں مارے بغیر راضی ہو گئیں، جہاں پر مردوں کا مساج مرد کرتے اور عورتوں کا مساج عورتیں کرتیں تھیں وہاں بھی دولت کی لالچ دلا کر لڑکیوں کو ہوس کے جہنم میں جھونکا گیا، فرینڈ شپ کلب (Club) ماضی میں لڑکیاں اپنے اڑوس پڑوس کی لڑکیوں کو سہیلی بناتی تھیں اور لڑکے اپنے قرب و جوار کے لڑکوں سے دوستی کرتے تھے، مرد، مرد سے، عورتیں، عورتوں سے دوستی کرتی تھیں، فرینڈ شپ کلب میں عام دعوت دی گئی کہ یہاں آؤ اور جس سے چاہو دوستی کرو، یعنی مرد عورت

سے، عورت مرد سے، لڑکے لڑکیوں سے، لڑکیاں لڑکوں سے دوستی کرے اور یہی ہو رہا ہے کہ فرینڈشپ کلب میں زیادہ تر لڑکیاں لڑکوں سے اور عورتیں غیر مردوں سے دوستی کرتی ہیں، اس دوستی کا جو نتیجہ نکلنا چاہئے نکل رہا ہے، یعنی فرینڈ شپ کلبوں میں برائیوں کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں، بیوٹی پارلر کے تعلق سے پہلے لکھا جا چکا ہے، سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس، یہ گپت روگ ہے کہ یہاں ایک آدمی جو کام کرتا ہے، دوسرے کو معلوم نہیں ہوتا ہے، سوشل کلب، یہاں جوئے، مٹکے، ہار جیت اور دل بہلانے کے سارے واقعات ہوتے ہیں، نائٹ کلب، یہاں ناچنا گانا، تھرکنا مٹکنا، عورتوں کا مردوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کرنا چنا گانا ہوتا ہے، ان پارلروں اور کلبوں میں سے اکثر پارلر اور کلب جسم فروشی کے اڈے ہیں، ان کلبوں کے ممبر بننے کا فیس ۵۰۰۰۰ سے ۱۰۰۰۰۰ ار روپے تک ہوتا ہے، ان پارلروں اور کلبوں میں کام کرنے والے دلالوں اور دلالہ کو ۳۰ سے ۳۵ ر فیصد کمیشن ملتا ہے، یہ دلال اور دلالہ لڑکے اور لڑکیوں، مردوں اور عورتوں کو سبز باغ دکھا کر وہاں تک پہنچاتے ہیں، ان پارلروں اور کلبوں کے مالکوں کی مہینے کی آمدنی چالیس سے پچاس لاکھ روپے ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ کی تفصیل یہ ہے۔

☆ حقہ: حقہ پینے کا عمل پرانا ہے، پچاس سال پہلے شرفا، امرا اور غربا سب کے سب اپنے گھروں میں حقہ پیتے تھے، مرد سے زیادہ عورتیں پیتی تھیں، نہ حقہ پینے کی دکان ہوتی تھی نہ یہ فیشن تھا، لوگ بازار سے ایک لیس دار مادہ لاتے تھے، جسے چھووا کہتے تھے، اس میں تمبا کو ملا کر کوٹ لیتے تھے اور اسے چلم میں بھر کر اس پر آگ رکھ کر پیتے تھے، پینے والے کہتے تھے کہ حقہ پیٹ کے لئے مفید ہے، ہر چیز کا چلن بدل چکا ہے، اب حقہ پینے کی دکانیں کھل چکی ہیں جسے ''حقہ پارلر'' کے نام سے جانا جاتا ہے، پارلروں کے وجود کے ساتھ ہی ان پارلروں میں دسیوں برائیوں نے جنم لے رکھا ہے، ان پارلروں کے حقے میں بھرا جانے والا تمبا کو مین الکحل شامل ہوتا ہے، بعض شوقین اور نشہ کرنے والے چلم میں گانجا، بھانگ اور چرس رکھ کر پیتے ہیں، حقہ کا شوق دلانے کے لئے چلم میں تمبا کو کے ساتھ مختلف قسم کی چیزیں ڈالی جاتی ہیں، جب تمبا کو آگ سے گرم ہوتا ہے اور پینے والے کش لگاتے ہیں تو ان پر سرور طاری ہونے لگتا ہے، پہلے حقہ پینے کا عمل عمر دراز لوگ کرتے تھے، دور جدید میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں کرتی ہیں، ستم یہ کہ کوئی نوجوان لڑکا یا لڑکی حقہ پارلر میں

اکیلے نہیں جاتے بلکہ گرل فرینڈ کے ساتھ جاتے ہیں، ساتھ میں بیٹھ کر کش لگاتے، ہنسی مذاق کرتے، اور جب سرور طاری ہوتا ہے تو چھیڑ چھاڑ شروع ہو جاتا ہے، حقہ پارلروں پر پولس کے چھاپے بھی پڑتے ہیں لڑکے اور لڑکیاں گرفتار بھی ہوتی ہیں گویا کہ یہ حقہ پارلر دور جدید میں چھیڑ چھاڑ، موج ومستی اور عیاشی کا اڈا بن گیا ہے، لوگوں کو روپیہ کمانا ہے، چاہے جیسے کمایا جائے، کمانے والا ذہن نئے نئے کاروبار کے بارے میں سوچتا رہتا ہے، انہیں سوچوں نے حقہ پارلر ایجاد کیا، بہت سارے حقہ پارلروں میں برائیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو پولس نے ان پارلروں کو بند کرا دیا ہے۔

☆ دورِ حاضر میں جس طرح سے مساج پارلر چلایا جا رہا ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں ہوتی ہے، پھر بھی اخلاقی غیرت کی بنیاد پر متعدد برائیاں موجود اور مشرقی تہذیب کی منافی ہیں، فیشن کے نام پر یہاں لڑکیاں اور عورتیں، سر اور بال کا مساج کروانے جاتی ہیں تو ان کو سر اور سینے سے دوپٹہ اتارنا پڑتا ہے، نوجوان لڑکے اور مرد، ان کے سر اور بال کا مساج کرتے ہیں تو ان کو چت ہو کر لیٹنا پڑتا ہے، غیر مرد، ان لڑکیوں اور عورتوں کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور گھنٹوں یہ عمل جاری رہتا ہے، مشرقی تہذیب میں عقل ودانائی، شرم وحیا وغیرت کبھی اس کی اجازت نہیں دیتی ہے، پھر ایسا کیوں ہوتا اور کیا جاتا ہے؟ روپیہ کمانے کے لئے اور فیشن کے نام پر یہ یوروپ کی ننگی اور بے حیا تہذیب کی مکمل تقلید ہے، اور یہ کہنا کہ ان چند خرابیوں کے علاوہ مساج پارلر میں کوئی خرابی نہیں ہے، سراسر غلط ہے، بلکہ دیگر پارلروں کی طرح مساج پارلر میں بھی جنسی جرائم ہوتے بلکہ روپیہ کمانے کے لئے جنسی جرائم کرائے جاتے ہیں، رپورٹ یہی کہہ رہی ہے:۔

"ممبئی پولس کمشنر نے ایسے کاروبار کو روکنے کے لئے اپنی خصوصی ٹیم بنائی تھی، اس ٹیم نے گزشتہ ایک سال میں کئی مساج پارلر اور بیوٹی پارلر اور اسپا سینٹروں پر چھاپا مار کر سیکس ریکیٹ کا پردہ فاش کیا" (٦٧)

☆ فرینڈ شپ کلب کے چلانے والے عیار لوگ ہمارے معاشرے کے لڑکے اور لڑکیوں کے اذہان کو اچھی طرح سے پڑھ چکے ہیں کہ دولت مند باپ کے عیاش لڑکے ماڈل کے نام پر دولت کی تھیلی لے کر ضرور یہاں پہنچیں گے، بگڑے ہوئے مرد عیاشی کے لئے یہاں آئیں گے اور منھ مانگی قیمت چکا کر جائیں گے، غربت، بے روزگاری اور مہنگائی کی چکی میں پستی ہوئی لڑکیوں کے علاوہ

وقعت سے زیادہ خرچ کرنے والی کالج کی لڑکیاں اور گھریلو عورتیں، دولت کی ہوس میں ڈوبی ہوئیں نازنین بھی اس طرف کا رخ کریں گی، مرد اور لڑکے دولت لٹانے کے لئے تو عورتیں اور لڑکیاں اپنا جسم ان کے سپرد کر کے دولت لوٹنے کے لئے ضرور آئیں گی، ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے، بازار سجا دیئے گئے اب عورت و مرد وہاں آرہے اور جا رہے ہیں، اندھیرے گھروں میں دوکانیں چلا کر بدقماش قسم کے لوگ اپنے گھروں کو منور کرتے ہیں، آج یہ بیماری کو چوری چھپے پھیلائی جا رہی ہے اگر اس پر گرفت مضبوط نہیں کی گئی تو مستقبل یہ بیماری عام وبا کی طرح پھیل جائے گی، آج کے دور میں اس روگ کو چپکے چپکے کیسے پھیلایا جاتا ہے۔ ذیل کی تحریر پڑھیئے:۔

☆ ٹرین کے ڈبوں اور کلاسیفائڈ کالم میں تنہائی ختم کرنے کے لئے فرینڈ شپ کلبوں کے ڈھیروں نمبر دیئے رہتے ہیں لیکن یہ دوستی محض تنہائی مٹانے تک محدود نہیں رہتی، مئی ۲۰۱۱ء میں ایک اندھیری کے فرینڈ شپ کلب پر سوشل سروس برانچ نے چھاپے مار کر کلب کے مالک کو گرفتار کیا، یہ کلب اندھیری بھیڑ بھرے علاقے میں واقع نورنگ سنیما کے پاس کی عمارت میں چلتا تھا، مسلسل تین برسوں سے چلنے والے اس کلب پر پولس نے اس وقت چھاپہ مارا جب ایک شکایت کنندہ نے شکایت کی کہ اسے ایک ماڈل کے ساتھ ملوایا تھا لیکن ایک لاکھ روپے لینے کے باوجود ڈیل نہیں ہوئی، یہ تو صرف نمونہ بھر تھا، پولس نے وہاں سے تقریباً ۲۲۰ ر ماڈلوں کے پورٹ فولیوز اور ۲۱ ر موبائل فون برآمد کیئے، یہ محض فرینڈ شپ کلب نہیں، ایک مکمل ہائی پروفائل جنسی ریکٹ تھا، گاہکوں سے ہائی پروفائل اسکرٹ کے ساتھ رات گزارنے کے لئے ۵۰۰۰ ہزار سے ۲۰۰۰۰ ہزار روپے تک وصول کے جاتے تھے۔

حال ہی میں ایک ہفتہ پہلے اندھیری ایئر پورٹ کے پاس ایک ہوٹل میں چھاپا مار کر ماں بیٹی کو فرینڈ شپ کلب کی آڑ میں سیکس ریکٹ چلانے کے الزام میں گرفتار کیا گیا، اس ماں بیٹی کی جوڑی نے ۳۰ ر لڑکیوں کو جسم فروشی کے کاروبار کے لئے ”نوکری“ دے رکھی تھی“ (۶۸)

مذکورہ رپورٹ سے یہ معلوم ہو گیا کہ فرینڈ شپ کلب چلانے والے اپنے کلب کا اشتہار بھی چھاپتے ہیں لیکن اس اشتہار پر پتہ ندارد ہوتا صرف موبائل نمبر ہوتا ہے، دوستی کا اشتہار چھاپ کر یہ جسم فروشی کرواتے، پارٹی سے روپے اینٹھتے ہیں، ایک کلب سے ۲۲۰ ر ماڈل کا برآمد ہونا کس

بات کا پتہ دیتا ہے؟ اس کے لئے کسی سے پتہ پوچھنا نہیں ہے بلکہ بتا دیا گیا ہے کہ ماڈل کے ساتھ رات گزارنے کے لئے ۵ رہزار سے ۲۰ رہزار تک وصول کئے جاتے تھے، جیسی ماڈل ویسی قیمت لی جاتی ہے، روپیہ کمانے کا یہ گھناؤنا طریقہ سفید پوشوں نے پھیلایا اور پھیلا رہے ہیں، دولت کمانے کے لئے ماں بیٹی کا ایک ساتھ بے حیائی کے کام میں لگنا مشرقی تہذیب پر بدنما داغ ہے، ۳۰ لڑکیوں کو نوکری کے نام جسم فروشی کروانا بھی مشرقی تہذیب میں گھناؤنا کھیل ہے، ان لڑکیوں کے والدین تو یہی سوچتے ہوں گے کہ ہماری بیٹی نائٹ ڈیوٹی کی نوکری کر کے پیسے لا رہی ہے، مگر نائٹ ڈیوٹی میں بیٹی کیا کرتی ہے والدین کو خبر نہیں ہے، والدین کے پوچھنے پر بیٹی کیا بتاتی ہے، سماج کو نہیں معلوم ہے، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ بیٹی نائٹ ڈیوٹی کے نام پر جسم بیچ کر روپے لاتی ہے، آخر مشرقی معاشرے سے یہ سب بلا کب ٹلے گی؟ سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس، سوشل کلب، فرینڈشپ کلب وغیرہم کے نام پر جسم فروشی کا دھندہ کرنے والے کب تک آزاد گھومتے رہیں گے؟ جو بزنس کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، وہ لوگ کیسے گمراہ کرتے ہیں، ذیل کے سطور کو پڑھئے:۔

☆ سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس، سوشل کلب، فرینڈشپ کلب اور عوامی مقامات پر کسی کونے میں چپکے پمفلٹس پر دیئے گئے نمبروں پر اکثر کوئی توجہ نہیں دیتا، لیکن کچھ لوگ ان ہی پر توجہ دیتے ہیں، گاہک ان دیئے گئے نمبروں پر جب پہلی بار فون کرتا ہے تو اسے عام جواب ملتا ہے، جس میں کہا جاتا ہے کہ کسی بزنس کو پرموٹ کرنے کے لئے لوگوں کو شامل کیا جا رہا ہے، پہلی میٹنگ کا وقت اور جگہ طے کرنے کے بعد دلال گاہک سے سیدھے سادے طریقے سے ملتا ہے، آدمی کی منشا کو پڑھنے میں استاد دلال دو تین ملاقاتوں کے بعد اصل ماجرا بتاتا ہے، جس کے بعد ڈیل اور میٹنگ طے ہوتی ہے، پولس کے مطابق اس تجارت میں ملوث دلال اپنا مستقل نمبر کسی کو نہیں دیتا، نہ ہی گاہک کو اور نہ ہی لڑکی کو، اس پورے ریکٹ میں دلال، لڑکی اور میٹنگ پلیس کے لئے طے جگہ کے مالک کا رابطہ ہوتا ہے، لیکن دلال اس دھندے کی اہم کڑی ہوتا ہے، اس کے بغیر کوئی بھی ڈیل نہیں ہوتی ہے" (٦٩)

بزنس کے نام پر دھوکہ، فریب کے ذریعہ لوگوں کو جنسی جرائم میں پھنسا کر ان سے موٹی رقم

وصول کی جاتی ہے، ایسے واقعات تو شاید یوروپ وامریکہ میں بھی نہیں ہوتے ہوں گے، جو ہمارے مشرقی معاشرے میں انجام دیئے جاتے ہیں، یہ پاپ دیکھا دیکھی بنتا جارہا ہے، ایک کرتا ہے پھر دوسرا اس باپ کے دریا میں گرتا، تیسرا اچھلانگ لگاتا ہے، اگر اس پر قدغن نہیں لگایا گیا تو یہ بڑھتا ہی چلا جائے گا، اس کو روکنے کے لئے حکومت، پولس، علما، خطبا، ادبا، شعرا، دانشوروں اور مفکروں کو آگے بڑھنا چاہیئے، تاکہ ہمارا معاشرہ صاف ستھرا رہے۔

اسلامی قانون کا نفاذ ہونا چاہیئے

آدمی ڈر اور خوف کی جگہ جانے سے کتراتا.... منہ چھپاتا.... اور بھاگتا ہے.... گناہ کی خواہش رکھ کر بھی گناہ سے باز رہتا ہے.... اسلام نے جہاں انسان سے پیار کا پیغام دیا ہے.... وہیں اصول وقوانین کے توڑنے والوں کے لئے سزائیں مقرر کی ہیں.... کچھ لوگ ان اصول وقوانین کو تعصب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو غلط ہے.... صرف ظاہری صورت کو دیکھ کر تعصب میں گرفتار ہونا بیوقوفی ہے.... ان اصول قوانین میں چھپے فائدے کو بھی دیکھنا چاہیئے.... اگر ایک فرد پر اسلامی قوانین کے استعمال کرنے سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں آدمی کی عزت وآبرو بچ جاتی اور وہ جرائم سے دور ہو جاتے ہیں تو جلد سے جلد ہندوستان میں اسلامی قانون نافذ کر دینا چاہیئے.... اس بات کا اعادہ مسلمان کرتے ہیں تو ان پر شدت پسندی کا الزام لگتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اسلامی قوانین کے فائدے اب غیر مسلموں کو بھی سمجھ میں آرہے ہیں.... ۱۶/ دسمبر ۲۰۱۲ء کی شب میں دہلی میں میڈیکل کی 23 سالہ طالبہ کی بس کے اندر چھ آدمیوں نے مل کر آبروریزی کی.... اس واقعہ میں بس کا ڈرائیور اور کنڈکٹر بھی شامل تھا.... اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد سڑکوں سے لے کر پارلیمنٹ تک میں ہنگامے ہوئے.... سب نے اپنے اپنے بیان جاری کئے.... ان میں ''وشو ہندو سینا کے صدر سوامی اوم جی'' کا بیان پڑھیئے:

> ''نئی دہلی (فرزان قریشی) دہلی گنگ ریپ کا معاملہ سامنے آنے کے بعد اکھل بھارتیہ ہندو مہا سبھا کے سینئر نائب صدر اور وشو ہندو سینا کے صدر سوامی اوم جی نے کہا کہ ''زانیو ں کو سزا دینے کے لئے شرعی قانون لاگو کیا جانا چاہیئے'' انہوں نے مزید کہا کہ جیسے اسلامی قانون میں زانی کو سزا دی جاتی ہے ویسے ہی ہندوستان میں بھی لاگو کیا جائے اور اس کے

لئے پارلیمنٹ میں ترمیمی بل لایا جائے، انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں سعودی عرب
میں جو سزا زانی کو دی جاتی ہے وہی سزا ہندوستان میں بھی لاگو کی جائے، سوامی اوم جی
کے مطابق انہوں نے اراکین پارلیمنٹ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی ہے اور وہ بھی اس
بات سے اتفاق کرتے ہیں، سوامی اوم جی نے کہا کہ میں جلدی ہی سپریم کورٹ میں
درخواست داخل کروں گا اور مطالبہ کروں گا کہ عدالت اس تعلق سے حکومت کو ہدایت
دے، سوامی نے گزشتہ دنوں متاثرہ لڑکی سے ملاقات بھی کی تھی، اس ملاقات پر لڑکی نے
کہا تھا کہ وہ مرنا نہیں چاہتی ہے" (۷۰)

اسلام کے اخوت ومساوات کا، عدل وانصاف کا، محبت وخلوص کا، حقداروں کے حقوق کا، عصمت وعفت کی حفاظت کا، ظلمت کو دور کرنے اور روشنی کو عام کرنے کا، ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کا، معاشرے کو پاک کرنے کا، امن وشانتی کا، پاکیزگی کا، طہارت کا آئینہ چودہ سو سال سے جگمگا رہا ہے، اس کی جگمگاہٹ کو اپنے بیگانے سب ہی دیکھ رہے ہیں، سمجھ رہے ہیں اور آنکھیں بھی چُرا رہے ہیں، بُرا بھی کہہ رہے ہیں، لیکن بلاؤں میں گھرنے، مصیبت میں پڑنے، عزت نیلام ہونے، عصمت لٹنے، عفت برباد ہونے کہ بعد اسلام کے پائیدار، صاف وشفاف آئینے کو دل ہی دل میں اچھا کہتے ہیں، کچھ لوگ کچھ ہمت جٹا کر بولتے ہیں جیسا کہ سوامی جی بولے ہیں، اسلام کی پاکیزہ باتیں ابھی اور نہ جانے کتنے کے گلے میں پھنسی ہوں گی، لیکن وہ نکالنے کی جرأت نہیں کرسکتے ہیں، کیونکہ نکالنے کے بعد مفاد مجروح ہو جائیں گے، ان کے دن، رات بن جائیں گے، لیکن نہیں! اپنے مفاد پر قوم وملت اور ملک کے مفاد کو ترجیح دینی چاہئے، آج ملک عرب کا معاشرہ ہر طرح کی درندگی سے پاک ہے تو اسی اسلام کے پاک قانون کی وجہ سے، اسی پاک قانون کے تعلق سے ذیل کی رپورٹ بھی ملاحظہ کریجئے:

صرف اسلامی قانون کا نفاذ خواتین کو بچا سکتا ہے

"وانمباڑی (اکبر زاہد/ ایس این بی) ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جسے دعویٰ ہے کہ
یہاں اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار پائے جاتے ہیں، یہ وہ سرزمین ہے جو دوسروں کے لئے
ایک مثال قائم کرتی ہے، رشی اور منیوں کی اس سرزمین میں خواتین ایک محفوظ زندگی

گزار رہی ہیں اور انہیں کسی قسم کا خوف نہیں، لیکن یہ صرف محض دعوے ہیں، کھو کھلے دعوے!! ورنہ حقیقت میں ہمارا ملک اخلاقی اعتبار سے بالکل دیوالیہ ہو چکا ہے، جرائم عام ہو چکے ہیں، قتل وغارت گری، خواتین کی عصمت دری، بچوں کا استحصال، چوری، زنا، شراب نوشی، خواتین کے ساتھ بدسلوکی، کرپشن غرض کہ ہر برائی عام ہو چکی ہے، دو دن قبل ایک شرمناک واقعہ نے پوری دنیا میں ہندوستان کی شبیہ بگاڑ کر رکھ دی ہے، ایک چلتی بس کے اندر ایک لڑکی کی اجتماعی عصمت دری کی گئی، اسے زدوکوب کیا گیا اور اس کے بعد اسے اور اس کے ساتھی کو مار پیٹ کر ایک سنسان مقام پر پھینک دیا گیا، اس وحشیانہ جرم پر ہندوستانی پارلیمنٹ میں چیخ وپکار مچ گیا، سیاست داں اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے عصمت دری کرنے والوں کے لئے سخت قوانین بنائے جانے کا مطالبہ کیا بلکہ اب تو کہا جا رہا ہے کہ ایسے وحشی مجرموں کو سزائے موت یا پھانسی پر لٹکا دینے سے اس جرم کا خاتمہ نہ ہوگا بلکہ جب تک اس معاملہ میں اسلامی قانون کا سہارا نہیں لیا جائے گا تب تک اس طرح کے جرائم ختم نہیں ہوں گے، اسلام میں اس جرم کے لئے سنگساری کی سزا ہے، سعودی عرب میں یہ قانون نافذ ہے اور دنیا جانتی ہے کہ اسی لئے وہاں زنا اور عصمت دری کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہے ہیں پوری دنیا میں صرف سعودی عرب ہی وہ واحد ملک ہے جہاں عصمت دری اور زنا کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہندوستان، ہی نہیں بلکہ اگر دنیا کے سبھی ممالک میں عصمت دری کے لئے سرعام سنگساری کی سزا رکھ دی جائے تو ہم یہ یقین رکھ سکتے ہیں کہ اس المناک سزا کو دیکھنے کے بعد کوئی بھی شخص ایسی حرکت کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا، صرف ایک بار کسی مجرم کو یہ سزا دے کر دیکھا جائے تو اس سزا کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا، سعودی عرب میں ویسے بھی جرائم کی شرح دنیا کے دیگر ممالک کے بہ نسبت بے حد کم ہیں، جس کی وجہ یہاں سزا کے اسلامی قوانین ہیں جن پر حکومت سختی کے ساتھ عمل کرتی ہے، چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے، جس کی وجہ سے یہاں چوری کی وارداتوں کی تعداد ایک فیصد سے بھی کم ہوتی ہیں، دنیا اس چیز کو دیکھ بھی رہی ہے لیکن وہ ان سزاؤں کو انسانیت کے خلاف سمجھتی

ہے، دوسری طرف وہ انسانیت سوز عصمت دری کے واقعات پر واویلا مچانے سے بھی نہیں چوکتی، حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسانیت سوز واقعات کو روکنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے جرائم کی سزا بھی سخت ہو، تبھی ان جرائم کو روکا جا سکتا ہے، اگر ہندوستان میں خواتین کو عزت کی زندگی گزارنی ہے اور وہ ایک محفوظ زندگی جینا چاہتی ہیں تو یہ ضروری ہے کہ یہاں اس طرح کے سنگین جرائم کے لئے اسلام میں جو سزا ہے وہی سزا دی جائے اور اس کے لئے سخت قانون سازی کی جائے'' (۱۷)

اسلام کا پاکیزہ قانون، عصمت وعفت کی محافظت والا قانون، ظلمت کو دور کرنے والا قانون، بے لگام کو لگام لگانے والا قانون، ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے والا قانون، معاشرے کو پاک بنانے والا قانون، امن وشانتی کا ماحول بنانے والا قانون کو نافذ کرنے کے لئے ہندو اور مسلم، سیاسی وغیر سیاسی، عالم وجاہل، عورت ومرد سب کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں تو پھر دیر کس بات کی ہے، نافذ کر دیا جائے، اور پھر دیکھا جائے کہ اس سے معاشرہ پاک ہوتا ہے یا نہیں، عصمت دری کے واقعات ختم ہوتے ہیں یا نہیں؟

پردے میں گناہ

ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ اپنے آپ کو مہذب کہلاتا اور اپنی بہو بیٹیوں کو پردے میں رکھتا ہے، یہ اچھی بات ہے ساتھ ہی اپنے گھروں میں ٹی وی، ویڈیو، وی سی آر اور کیبل لگائے ہوا ہے، ایسے گھروں کی عورتیں، لڑکیاں اور بہوویں دن رات ٹی وی پر واہیات، وحشت ناک، عریاں فلمیں اور مخرب اخلاق مناظر دیکھتی رہتی ہیں، ویڈیو اور وی سی آر کے ذریعے نہ جانے کیسی کیسی فلمیں دیکھتیں اور گانے سنتی ہیں، کیبل نے جو آگ لگا رکھی ہے اس کا تو پوچھنا ہی نہیں ہے، فلاں فلم یا منظر کو دوبارہ، سہ بارہ اور بار بار دیکھنے کی فرمائشیں، پردہ نشیں خواتین کرتیں ہیں، یہ سارے گناہ پردے میں ہوتے ہیں، یہ عورتیں رمضان جیسے مقدس مہینہ میں بھی ٹی وی سے چپکی رہتی ہیں، وہ ٹی وی دیکھنا گناہ نہیں سمجھتی ہیں، نماز، تلاوت اور ذکر وفکر سے عاری یہ عورتیں تو اپنے آپ کو پردہ نشیں کہتی ہیں مگر پردے میں گناہ بھی کرتی ہیں، فیشن سے پُر، ٹی وی میں غرق، یوروپ کی تقلید میں مست، ان میں کی کچھ عورتوں کے خیالات نہایت ہی بھیانک ہوتے ہیں، کہنے اور سمجھانے والی کو یہ عورتیں کہتی

ہیں کہ مرنے کے بعد کس نے دیکھا اور کون دیکھنے جاتا ہے کہ مٹی کے نیچے کس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، ایمان کی کمزوری، خوف خدا سے لاپرواہی، قرآن واحادیث سے لاتعلقی، اسلامی اصولوں وضوابط سے بیگانگی کے نتیجے میں زبان بے لگام ہوتی جارہی ہے، اسلام سے تعلق ٹوٹتا جارہا ہے، نام اسلامی، کام شیطانی، ہیں تو پردے میں مگر بے پردہ سے زیادہ سخت گناہ میں گرفتار، سوچ کا پیمانہ بدلا ہوا، گناہ اس طرح سے کر رہی ہیں اور ہو رہے ہیں کہ نہ کوئی پکڑ سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ کچھ کہہ سکتا ہے، پارسائی اور پرہیزگاری کے پردے میں گناہ کا یہ میدان بڑا اچھا لگتا ہے۔

سنیما گھروں میں جانے پر لوگ پہچان سکتے، تنقید کر سکتے، بھبکیاں کس سکتے، چھیڑ چھاڑ کر سکتے، گھر کا کوئی فرد خفا ہو سکتا، فلم بینی کرنے والی نام پڑ سکتا ہے، وہی کام گھر میں ٹی وی، ویڈیو، وی سی آر اور کیبل دیکھ کر شوق بھی پورا ہوتا ہے، لیکن نہ کوئی بدنامی، نہ رسوائی، نہ تنقید، نہ تضحیک، نہ بھبکی، نہ چھیڑ چھاڑ، گناہ کرتی ہیں لیکن لوگ پارسا، نیک باپردہ میں شمار کرتے ہیں، اسی کو کہتے ہیں کہ سانپ بھی مرگیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی، گناہوں کی لذت بھی اٹھالی لیکن کسی نے گناہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر یہ ہے بھیانک گناہ! جس سے بچنا لازمی اور ضروری ہے۔

ایسی عورتوں کے حال سے باخبر ہو کر ان پر ملازمت پیشہ اور بے پردہ عورتیں تنقید کرتی اور طعنہ دیتی ہیں:۔

"لیکن جن گھروں میں عورتوں کو علم وحکمت سے دور اور باورچی خانہ تک محصور رکھا گیا ہو اور جہاں خالی اوقات میں ساس بہو کے سیریل دیکھنے کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہ ہو، ایسے گھروں میں جمے رہنے میں مجھے کوئی تقویٰ شعاری کا کوئی پہلو نہیں دکھتا" (۷۲)

سوچئے اور غور کیجئے کہ اسلام نے عورتوں کو پردے میں رہنے کا اسی لئے حکم دیا ہے کہ پردہ نشیں خواتین خود گناہوں سے محفوظ رہیں اور ان کو نہ دیکھنے والے بھی گناہوں سے بچے رہیں، لیکن دور حاضر میں ان کو نہ دیکھنے والے گناہ سے محفوظ ہیں، مگر یہ پردہ نشین خواتین خود گناہوں میں گرفتار ہیں۔

شراب خانہ، نیا نام بیئر بار میں مجرا کرنے والیاں، ساقیا بن کر گاہکوں کے دل بہلانے والیاں، ڈانس کرنے والیاں مسلمان لڑکیاں جو اپنے محلے اور اڑوس پڑوس میں شریف بو بو کہلاتی ہیں، شام کے وقت برقع پہن کر گلے میں بیگ لٹکا کر نکلتی ہیں اور بیئر بار میں پہنچ کر برقع اتار کردہ

کام کرتی ہیں، جس کی اجازت نہ اسلام دیتا ہے نہ سماج، نہ معاشرہ، نہ حیا، نہ غیرت، پھر یہ برقع پہن کر بیئر بار میں کیوں جاتی ہیں؟ ایسی لڑکیوں سے ایک صاحب نے بیئر بار کے قریب اس سے پوچھا کہ تم بیئر بار میں کام کرتی ہو تو یہ برقع کو کیوں بدنام کرتی ہو؟ لڑکی کا جواب تھا تا کہ لوگ پہچانے نہ پائیں کہ فلاں کی بیٹی بیئر بار میں کام کرتی ہے، کیا یہ لڑکیاں غریبی کی وجہ سے یا مجبوری کی بنا پر یا ماں باپ کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے یا دولت کی ہوس میں بیئر بار میں کام کرتی ہیں؟ اکثر لڑکیاں دولت کی ہوس میں بیئر بار میں کام کرتی ہیں، ایک شخص نے اپنے ایک پہچان والے سے کہا تم تو کماتے ہو تمہیں کھانے پینے کی کمی نہیں ہے، پھر بھی تمہاری بیٹی بیئر بار میں کام کرنے جاتی ہے، اس کو منع کرو، باپ کا جواب تھا ٹھیک ہے آج سے نہیں جائے گی، آج سے تم اس کا خرچہ دو گے؟ باپ ہی جب بے غیرت ہو تو بیٹی ناموس بیچنے، ڈانس کرنے، بیئر بار میں ساقیا بننے پر مجبور نہ ہوگی تو کیا ہوگی؟

دورِ جدید کا انسان دورِ جاہلیت کے نقش قدم پر

جاہلیت کی تہذیب وتمدن کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے لوگوں پر اچھی طرح سے واضح ہے کہ کفر کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے اقوام کی نگاہوں میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں تھی، وہ لڑکیوں کی پیدائش کو اپنے لئے باعث ننگ وعار محسوس کرتے تھے، آج کے ترقی یافتے جدید یے بھی بیٹی کی پیدائش پر ناخوش ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جہیز کی وبا کی بنا پر ایسا ہوتا اور کیا جاتا ہے، لیکن اس جہیز کے پردے میں بہت سارے تانے بانے لڑکی والے خود بنتے ہیں، مثلاً لڑکا خوب پڑھا لکھا اور امیر وکبیر چاہئے، مکان عالیشان اور عمدہ ہونے کے ساتھ متعدد کمروں پر مشتمل ہو، اگر لڑکا پڑھا لکھا اور برسرِ روزگار ہے مگر مکان خواطر خواہ پسندیدہ نہیں ہوتا ہے تو لڑکی والے شادی سے انکار کردیتے ہیں، اگر مکان ہے اور لڑکا پڑھا لکھا کم ہے تو بھی لڑکی والے شادی کو تیار نہیں ہوتے ہیں، ایسی حالت کو دیکھ کر لڑکے والے فائدہ اُٹھاتے ہیں، یہ معاملہ خود کردہ را علاجِ نیست والا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں باپ اپنی بچیوں کو زمین میں گڑھا کھود کر زندہ دفن کردیا کرتے تھے، ان کی تنگ نظری اور زاویہ فکر نے عورتوں سے نسوانیت کا جوہر چھین لیا تھا، مردوں کی تمکنت سے خوف کھا کر عورتیں اپنی عزت کا سودا کرنے پر مجبور ہوتی تھیں، باپ کی موجودگی میں بیٹی کا نازک دل غم کدہ بنا ہوا تھا، بھائیوں کے سامنے بہنوں کا شباب لٹ رہا تھا، ان کی دوشیزگی تار تار ہوتی تھی، مگر

بھائیوں کی غیرت وحمیت میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا تھا، شوہر کا قرب پا کر بھی عورتیں مضطرب وپریشان رہا کرتی تھیں، قصہ مختصر یہ کہ صنف نازک عرصہ دراز تک ظلم وستم کی چکی میں پستی رہیں، زندگی کی پُر خار وادیوں میں سسک کر دم توڑ رہی تھیں، لیکن ان کی داد وفریاد کو مردوں کی بارگاہ میں دسترس حاصل نہیں ہوسکی، لیکن جب اسلام کا آفریں انقلاب معاشرے میں رونما ہوا تو عورتوں کی عزت وعظمت کا باب خود بخود وا ہو گیا۔

اسلام نے عورتوں کو ذلت وزوال کے تازیانے سے نجات دلا کر انہیں وقار کی منزل پر سرفراز کیا، ان کے دامنوں کو سچی مسرتوں کے گلہائے رنگ رنگ سے بھر دیا مگر آج اس دورِ پرفتن میں عورتوں کا دامن مسرت وشادمانی سے پھر خالی نظر آنے لگا ہے، عالمی سطح پر عورتیں ناگفتہ بہ حالات سے دوچار اور نت نئے ظلم وستم کا شکار ہو رہی ہیں، ان کو کہیں تیرِ ہوس کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، کہیں زندگی سے بھرپور جوانیاں زور وزبردستی لوٹی جا رہی ہیں تو کہیں بخوشی ورغبت لٹائی جا رہی ہیں ، کہیں گوہر عصمت کو کوڑیوں کے مول بیچا جا رہا ہے، کہیں زنا بالجبر کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، کہیں مردوں کی عیش کی خاطر، کہیں اپنی مجبوریوں کی بنا پر، کہیں شوقیہ قحبہ خانہ کی زینت بن رہی ہیں یا بنائی جا رہی ہیں، حالیہ ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں غربت کی وجہ سے پچیس لاکھ گھریلو خواتین جسم فروشی میں ملوث ہیں، جو نہایت ہی افسوس کی بات ہے، ان کی مدد کر کے ان کو گناہوں کے غار سے نکالنا ضروری ہے، یہ کام فرد واحد کا نہیں ہے بلکہ اجتماعی طور پر لوگوں کو آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

ماضی وحال میں لڑکیوں کے قتل کے طریقے

دور جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے واقعات مشہور ومعروف ہیں، اس کی وجہ تاریخ میں یہ بتائی گئی ہے کہ:۔

"عہدِ جاہلیت میں کئی قبیح اور سنگدلانہ رسمیں رائج تھیں جنہیں وہ بڑے شرحِ صدر سے انجام دیا کرتے تھے، انہی غیر انسانی رسوم میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، اس پر غمزدہ یا پشیمان ہونے کے بجائے فخر ومباہات کا اظہار کرتے تھے، اس ظالمانہ حرکت کے آغاز کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ربیعہ قبیلہ پر ان کے دشمنوں نے

شبخون مارا اور ربیعہ کے ایک سردار کی بیٹی کو وہ اُٹھا کر لے گئے، جب دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہوگئی تو اس لڑکی کو بھی واپس کر دیا گیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے تو اسیری میں جس کے ساتھ رہی تھی اس کے پاس چلی جائے، اس نے اس شخص کے پاس جانا چاہا، اس کے باپ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے اپنے قبیلے میں یہ رسم جاری کر دی کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہو تو اس کو زندہ زمین میں دبا دیا جائے تا کہ آئندہ ان کی ایسی رسوائی نہ ہو، آہستہ آہستہ دوسرے قبائل میں بھی یہ رواج مقبولیت اختیار کرتا گیا اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔

(۱) عام اہل عرب کی معاشی حالت بڑی خستہ ہوتی تھی، بچیوں کو پالنا، جوان کرنا، پھر ان کی شادی کرنا وہ اپنے لئے ناقابلِ برداشت بوجھ تصور کرتے تھے، اس لیے ان کو بچپن میں ہی ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے، قبائل میں باہمی کُشت وخون روزمرہ کا معمول تھا، لڑکے جوان ہو کر ایسی لڑائیوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے، لڑکیاں لڑائیوں میں بھی شرکت نہ کر سکتیں اور پھر ان کو دشمن کی دستبرد سے بچانے کے لئے بھی انہیں کافی تردّد کرنا پڑتا، اس لیے وہ ان کو زندہ رکھنا اپنے لیے وبالِ جان سمجھتے۔

(۲) ان کی جاہلانہ نخوت بھی اس کا ایک سبب تھی، وہ کسی کو اپنا داماد بنانا اپنی توہین سمجھتے تھے، اس سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا کہ نہ بچی زندہ ہو، نہ اسے بیاہا جائے اور نہ کوئی ان کا داماد بنے''۔ (۷۳)

بچیوں کو قبر میں زندہ درگور کرنے کی یہ ہے عہد جاہلیت کی تاریخ، اس سے متعلق قرآن مجید میں رب فرماتا ہے:: وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ . بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ : ترجمہ! اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے، کس خطا پر ماری گئی''۔

یعنی قیامت میں زندہ درگور کرنے والوں سے نہیں، بلکہ وہ زندہ زمین میں دبائی گئی لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کو کس خطا پر مارا گیا اور تم ماری گئیں؟۔

جب اُن لڑکیوں سے پوچھا جاے گا تو اِن جانوں سے بھی پوچھا جائے گا جو پچاس دن کے اندر یا چار مہینے کے اندر یا بعد میں ماں کے شکم میں قتل کی گئیں، قتل کی جا رہی ہیں اور قتل کی

جائیں گی، پچاس دن کے اندر ڈاکٹر حاملہ کو گولی استعمال کراتے ہیں، وہ گولی اتنی تیز اور پاورفول ہوتی ہے کہ حمل کو خون بنا کر بہادیتی ہے، چار مہینے یا بعد میں ڈاکٹر آلات کے ذریعے حمل کو گرادیتے ہیں، یہ قتل ہے کیوں کہ جدید میڈیکل سائنس کے مطابق نطفہ قرار پاتے ہی بچے میں جان پڑ جاتی ہے، ڈاکٹر کاشی رام لکھتے ہیں:۔

''کوئی زمانہ تھا جب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ بچہ کی حرکت زندگی کا نام ہے لیکن میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نطفہ قائم ہونے کے وقت ہی سے انسان کی روح جنین میں آجاتی ہے، یہ اغلب ہے کہ حاملہ کو محسوس ہونے سے بہت وقت پہلے بچہ کی حرکات رحم میں شروع ہو جاتی ہے، لیکن حاملہ کو اس وقت تک معلوم نہیں ہوتیں، جس وقت تک رحم شکم میں نہیں چلا جاتا اور بچہ کو کافی حرکت کے لیے جگہ نہیں مل جاتی'' (۷۴)

ڈاکٹر موصوف کی بات قابل قبول ہے کہ نطفہ قائم ہونے کے وقت ہی جنین میں روح آجاتی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو پھر جنین بڑھے گا کیسے؟ روح پڑنے کے بعد ہی جنین بڑھتا اور پروان چڑھتا ہے۔

نطفہ کیا ہے اور نطفے میں کیا ہوتا ہے؟

اس تعلق سے ڈاکٹر کاشی رام اپنی تحقیق میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''اگر ہم حمل قرار پاتے ہی جنین کو خوردبین کے ذریعہ دیکھ سکیں اور دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی ایک عجیب وغریب شکل ہوتی، ایک جانب سے تو وہ گول مول ہوتا ہے درمیان میں ابھرا ہوا، اور دوسرے سرے پر ایک کندسی نوک ہوتی ہے یہ کسی قدر آگے کی طرف خم کھائے ہوتا ہے اور لعابدار مادے سے گھرا ہوا ہوتا ہے، اس کی لمبائی قریب قریب ایک یا دو لکیریں کی موٹائی کے برابر ہوتی ہے، اور تول میں اس کا وزن آدھا رتی سے ایک رتی تک ہوتا ہے، ایک سرا کچھ دبا ہوتا ہے، جس سے جنین کے سر کا پتہ چلتا ہے، متورم حصہ جسم ہوتا ہے، بازو اور ٹانگوں کا اس وقت کوئی پتہ نہیں ہوتا، حمل قرار پانے کے تین ہفتہ تک ہمیں خوردبین میں یہی کچھ دکھائی دے

سکتا ہے(۷۵)

ڈاکٹر موصوف کی تحقیق سے بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ نطفہ میں ہی روح داخل ہوجاتی ہے، ڈاکٹر ایودھیا پرساد اچل (Dr. Ayodhya Prasad Achal) نے بھی اپنی کتاب (Prasuti Vignana) میں اسی قسم کا انکشاف کیا ہے، نطفے کے ساتھ ہی جب روح داخل ہوجاتی ہے تو اسے ضائع کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں، اگر کوئی ضائع کرواتی یا کروادیتا ہے تو قتل کے مترادف ہے، جان کی قیمت جو سمجھتا ہے وہ کسی حال میں حمل کو ضائع نہیں کرتے نہ کرنے دیتے ہیں، ڈاکٹر کاشی رام اپنے ہم پیشہ خاص کر نوجوان ڈاکٹروں کو صلاح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ صاف طور پر نوجوان ہم پیشہ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ کسی حالت میں بھی حمل کا اسقاط کرنا، اخلاقی، رواجی، اور قانونی طور پر جائز نہیں ہے ہم لوگ دنیا میں زندگیوں کو بچانے کے لئے آئے ہیں، نہ کہ تباہ و برباد کرنے کے لیے، ہر حکیم اور ڈاکٹر کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ آنے والی زندگیوں اور موجودہ زندگیوں کی حتی الامکان حفاظت کرے" (۷۶)

چار مہینے کا حمل ضائع کرنا یا کروانا، جان کا قتل کرنا اور کروانا ہے، نطفہ پڑتے ہی نطفے میں جان پڑجاتی ہے، لیکن اس نطفے کی جان کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے، لیکن چار مہینے کی جان کو عام آدمی بھی سمجھتا ہے، جان سے محبت و ہمدردی کرنا ہر انسان کا اولیں فرض ہے، مگر دور جدید کی کچھ ماؤں نے اور روپیہ کمانے کے لیے ڈاکٹروں نے حمل گرانے کو پیشہ بنالیا ہے، ہمارا ملکی قانون بھی اس کی اجازت نہیں دیتا ہے، اس لئے اس کام میں ملوث مائیں اور ڈاکٹر آئے دن پکڑاتے اور گرفتار ہو کر ذلیل ہوتے، ان کے کلنگ بند ہوتے ہیں، حاملہ کے جان جانے کا خطرہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام اجازت دیتا ہے کہ ایک جان کو بچانے کے لیے حمل کو ضائع کیا جاسکتا ہے، اس تعلق سے ڈاکٹر کاشی رام بھی یہی کہتے ہیں کہ جان جانے کا خطرہ ہو تو حمل ضائع کیا جائے ورنہ نہیں:۔

"لیکن بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ حاملہ کی صحت کو بچانے کے لئے یا اسے آنے والے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے حمل کو ساقط کردیا جائے، یہ فقط اس حالت میں ہوسکتا ہے جب حاملہ

کی صحت اتنی خراب ہو چکی ہو کہ حاملہ حمل کے کورس کو یا وضع حمل کو برداشت کر سکنے کے بعد نا قابل ہو، یا اس کی اپنی جان کا خطرہ موجود ہو یا اس وقت حمل کو ساقط کرنا اخلاقاً جائز ہو سکتا ہے جب عورت کی پیڑو کی ہڈیاں اتنی تنگ ہوں کہ وضع حمل نہ ہو سکتا ہو، یا حمل رحم میں قرار پانے کے بجائے خصیۃ الرحم، رحم کی نالی، پردہ باریطون یا شکم میں قرار پایا ہو، جہاں سے وضع حمل قدرتی طور پر نا ممکن ہوتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ کنواری عورتوں کی عزت کو بچانا اور ان کو روسیاہ نہ ہونے دینا ہمارا اخلاقی فرض ہے لیکن اس فرض سے بھی بڑھ کر ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم پیدا ہونے والے بچے کو ضائع نہ ہونے دیں"(۷۷)

قارئین کرام! ڈاکٹر موصوف کی باتوں کو غور سے پڑھیں کہ حمل کو ضائع کرنے سے روکنے پر کس قدر توجہ دیں رہے ہیں، کیوں کہ حمل کا ضائع کرنا، جان کا قتل کرنا ہے، کنواری لڑکیوں کا حاملہ ہونا اور ڈاکٹروں کے ذریعے سے حمل کو گروانا جدیدیت کا فیشن ہو گیا ہے، روسیاہ ہونے والا کام کر کے، پھر روسیاہی سے بچنے کی کوشش بھی روسیاہی ہے۔

دورِ حاضر میں شادی شدہ مائیں حمل کا سونوگرافی کرا کر پیٹ میں ہی بچیوں کو قتل کر دیا کرتی ہیں، عرب میں یہ کام صرف باپ کرتا تھا، دور جدید میں باپ کے ساتھ ماں کا بھی اہم رول رہتا ہے، جدیدیوں نے لڑکیوں اور عورتوں کو آزادی کا نام دے کر کہتے ہیں کہ مردوں کے شانہ بشانہ عورتیں بھی ہر کام میں لگی ہوئی ہیں، بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں تو پھر سونوگرافی کے ذریعہ یہ معلوم کر کے کہ حمل میں لڑکی ہے تو حمل ضائع کیوں کروایا جا رہا ہے؟ اس قتل کی واردات اتنی بڑھ گئی ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی پیدائش کا توازن ہی بگڑ گیا ہے، سرکاری اعداد و شمار بتا رہے ہیں کہ ہندوستان میں ایک ہزار لڑکوں پر لڑکیوں کی تعداد صرف ۹۱۴ / رہ گئی ہے:۔

"نئی دہلی۔ سرکار نے آج تسلیم کیا کہ ملک میں لڑکیوں کا جنین میں قتل جاری رہنے کے باعث خواتین اور مردوں کے تناسب میں فرق بڑھتا جا رہا ہے، صحت اور خاندانی بہبود کے وزیر غلام نبی آزاد نے آج راجیہ سبھا کو بتایا کہ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ایک ہزار لڑکوں پر لڑکیوں کی تعداد صرف ۹۱۴ / رہ

گئی ہے جب کہ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری میں ایک ہزار لڑکوں پر لڑکیوں کا تناسب ۹۲۷ تھا۔ انہوں نے کہا کہ مردوں اور عورتوں کے تناسب میں زیادہ فرق کے منفی نتائج نکل سکتے ہیں، جن سے خواتین میں زیادہ عدم تحفظ اور ان کے خلاف تشدد سمیت سماج میں ان کا مرتبہ متاثر ہو سکتا ہے، غلام نبی آزاد نے اوپیندر کشواہا کے سوال کے تحریری جواب میں بتایا کہ لڑکیوں کا جنین قتل روکنے کے لیے ہمہ جہت حکمت عملی اپنائی گئی ہے، جس میں قانونی طریقۂ کار، بیداری پیدا کرنا اور خواتین کی سماجی، اقتصادی اور خود کفالت کرنا شامل ہے، صحت اور خاندانی بہبود کے وزیر غلام نبی آزاد نے رام ولاس پاسوان کے سوال کے تحریری جواب میں بتایا کہ ۲۰۰۹ء کے لئے رجسٹرار جنرل کے اندازے کے مطابق ملک میں ایک ہزار پیدائش پر ۵ر سال سے کم عمر کے بچوں کی شرح اموات ۶۴ تھی، جب کہ بہار میں یہ شرح ۷۰ر تھی، انہوں نے بتایا کہ ۲۰۰۹ء کے لیے رجسٹرار جنرل کے اندازے کے مطابق ملک میں ایک ہزار پیدائش پر ۵ر سال سے کم عمر کے بچوں کی شرح اموات آسام میں ۸۷، اڑیسہ میں ۸۴ر مدھیہ پردیش میں ۸۹ر اتر پردیش میں ۸۵ر اور چھتیس گڑھ میں ۶۷ر تھی‘‘(۸۷)

اس بگڑتے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے اب لوگوں کی آنکھیں کھل رہی ہے، جگہ جگہ لوگ ریلی نکالتے اور احتجاج کرتے ہیں کہ ماں کے شکم میں بچیوں کے قتل کرنے کی وارداتیں بند ہوں، خدا کرے کہ ایسا ہی ہو، لیکن غور بھی کیجئے یہ وبا کس نے پھیلائی تھی؟ صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آجائے تو خوشی کی بات ہے، جنین کشی کے معاملہ میں حکومت نے بھی ایکشن لیا ۲۰۱۱ء کے اواخر تک ڈیڑھ سو سے دو سو تک سونوگرافی کے اڈے جو جنین میں لڑکیوں کی نشاندہی کر کے لڑکیوں کا قتل کرتے تھے، ممبئی میں حکومت نے بند کر دی ہے، سیاستداں بھی اس معاملے میں متحرک ہوئے ہیں، قومی اور فلاحی تنظیمیں بھی آگے بڑھیں ہیں، اس تعلق سے صرف اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں جنین قتل کے خلاف کئی ریلیاں نکل چکی ہیں۔

انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن کی ریلی

اورنگ آباد (ضمیر احمد قادری) انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن (آئی ایم اے
)اورنگ آباد شاخ کی جانب سے یوم آزادی جوش وخروش کے ساتھ منایا گیا،
ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر شیخ مرتضٰی کے ہاتھوں پرچم کشائی کی گئی،اس موقع
پر آئی ایم اے کے سکریٹری ڈاکٹر اشوک شیر کر اور دیگر موجود تھے، اس روز
ایسوسی ایشن کی جانب سے مادر رحم میں پیدائش سے قبل لڑکیوں کے قتل کے
خلاف بیٹی بچاؤ ریلی نکالی گئی ،ریلی میں آئی ایم اے کے ڈاکٹر ،ریڈیولاجی
ماہرین امراض خواتین ،سرجن، ماہرین اطفال ،فزیشن وغیرہ شریک تھے،ریلی
کا آغاز صبح ۱۰ بجے آئی ایم اے ہال شنی مندر سے ہوا جو نرالہ بازار سے اورنگ
پورہ پہنچی اور مہاتما پھلے کے مجسمہ کے پھولوں کا ہار پہنا کر ختم ہوگئی ،اس موقع
پر ڈاکٹر مرتضٰی نے کہا کہ لڑکیوں کے اسقاط حمل کے لیے صرف ڈاکٹر ذمہ
دار نہیں ہیں،اس کے لیے سماج بھی برابر کا ذمہ دار ہے،اگر کوئی ڈاکٹر خاطی
پایا گیا تو اس کی آئی ایم اے کی رکنیت منسوخ کر کے مہاراشٹر میڈیکل کونسل
سے اس کا رجسٹریشن رد کرنے کی سفارش کی جائے گی،اس موقع پر ڈاکٹر کثیر
تعداد میں موجود تھے" (۷۹)

ڈاکٹروں کی اس ریلی کے بعد اورنگ آباد میں سیاستدانوں نے بھی پیدل ریلی نکالی جس
کو اخبار میں ذیل کی سرخی کے ساتھ شائع کیا:۔

پیدائش سے قبل لڑکیوں کے قتل کے خلاف پیدل ریلی

"اورنگ آباد (ضمیر احمد قادری رایس این بی)مادر رحم میں پیدائش سے قبل
لڑکیوں کے قتل کے خلاف راشٹر وادی یوتھ کانگریس نے عوامی بیداری کے
لیے ۲۸ راگست کو پیدل ریلی نکالنے کا فیصلہ کیا ہے، اورنگ آباد میں بھی
راشٹر وادی یوتھ کانگریس کی جانب سے ۲۷ راگست کو کرانتی چوک تا اورنگ
پورہ ریلی نکالی جارہی ہے ،ریلی کا آغاز ایم ایل سی ستیش چوہان کریں گے جبکہ

اختتام مدھوکرانا موڑے کے خطاب سے ہوگا، یہ اطلاع راشٹروادی یوتھ
کانگریس کے شہر ضلع صدر ایڈوکیٹ تشار پاٹل شیوڑنے دی'' (۸۰)

ماں کے پیٹ میں لڑکیوں کے قتل کے خلاف اس قسم کی ریلیاں اورنگ آباد سمیت پونے، ودربھ اور ملک کے دیگر ریاستوں اور شہروں میں نکل چکی ہیں اور نکلنی چاہئے، کیوں کہ یہ بیماری پورے ملک میں شہروں سمیت گاؤں میں بھی پھیل چکی ہے، بعض ریاستوں اور علاقوں میں یہ بیماری بہت زیادہ ہے، مہاراشٹر کے بیڑ ضلع کے علاقوں اور صوبۂ پنجاب میں تو لڑکوں کی مناسبت سے لڑکیوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگئی ہے، پڑھی لکھی اور میڈیکل کی معلومات رکھنے والی خواتین کے زیر اثر گاؤں اور دیہات کی عورتیں بھی شکم میں لڑکیوں کے قتل میں پوری طرح سے ملوث ہیں، آخر لڑکیوں کا قتل کب تک ہوتا رہے گا؟ لڑکیاں اسی طرح سے قتل ہوتی رہیں گی تو لڑکے کی شادی کہاں اور کس سے ہوگئی؟ جب لڑکی نہیں ملی گی تو لڑکے کا وجود بے معنیٰ ہو کر نہیں رہ جائے گا؟

ہر تین منٹ میں ایک لڑکی کی جنین کشی

آخر لڑکیوں سے اتنی نفرت کیوں ہے کہ ہماری مشرقی تہذیب میں ہر تین منٹ میں ایک لڑکی کی جنین کشتی ہوتی ہے، لڑکیوں کی گھٹتی تعداد کے پیشِ نظر اب لوگ ریلیاں نکالنے پر مجبور ہوچکے ہیں، چنانچہ جنین کشی کے خلاف حال ہی میں میرٹھ میں ''سوربھی فاؤنڈیشن'' نے لڑکی بچاؤ کے تحت ریلی نکالی تھی، تفصیل یہ ہے:۔

''میرٹھ (ایس این بی) سماجی تنظیم ''سوربھی فاؤنڈیشن'' کے کارکنان نے بیٹی بچاؤ مہم کے تحت آج کلکٹریٹ کمپلیکس میں جنین کشی کے خلاف بیداری ریلی نکالی، ساتھ ہی انہوں نے لوگوں سے اس برائی کو دور کرنے کی اپیل بھی کی، تنظیم کے صدر دنیش تلوار کی قیادت میں کارکنان نے کلکٹریٹ پہنچ کر اپنے پیغام میں ملک کی ان خواتین سے سوال کیا کہ ایک طرف جہاں خواتین ماں درگا کی پوجا کرتی ہیں، وہیں دوسری طرف ملک میں ہر تین منٹ میں ایک لڑکی کی جنین کشی کی جاتی ہے، یا پھر پیدائش کے بعد اسے مار دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ظلم کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کے جنسی تناسب میں لگاتار کمی واقع ہورہی ہے'' (۸۱)

حمل ساقط کرنے والے ڈاکٹروں کو اپنے ہم پیشہ ڈاکٹر کاشی رام کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے، اسقاط حمل سے پرہیز کرنا چاہئے، حمل ساقط کرنے میں ڈاکٹروں کو من مانا پیسہ ملتا ہے، لیکن یہ بھی خیال کرنا ہے کہ کیا من مانا پیسہ لے کر کسی کی جان مارنا درست ہے؟ دوسرے یہ کہ ان کو ملک میں لڑکے اور لڑکیوں کے تناست کا بھی خیال رکھنا ہے، تناسب بگڑنے سے معاشرہ اور سماج میں مزید بگاڑ پیدا ہوگا۔

یوروپ وامریکہ اوران جیسے دوسرے ممالک میں کنواری مائیں، ایک جرم کرتی ہیں کہ زنا کی مرتکب ہوتی ہیں، حملِ ٹھہرنے کے بعد بہت کم لڑکیاں حمل ساقط کرواتی ہیں، بلکہ ناجائز بچے جن کر جیسے تیسے ان کو پالتی ہیں، ہندوستان کی کنواری حاملہ ہوتی ہیں تو ایک چھوڑ دو دو گناہ کی مرتکب ہوتی ہیں، اول زنا جیسے گناہ کی مرتکب ہوتی ہیں اور حمل ٹھہرنے پر حمل کو ساقط کرا کر بچوں کے قتل کی مرتکب بھی ہوتی ہیں، سماج میں رسوائی الگ ہوتی ہے، یہ کام ہمارے مشرقی معاشرہ میں اس کثرت سے ہوتا ہے کہ اب بعض ریاست کے وزرا اس سے متعلق سخت قوانین بنانے کا ارادہ کر رہے ہیں، کیونکہ روپے کے لالچ میں بعض ڈاکٹر حضرات جنس کا تعین کر کے حمل کو ضائع کر دیتے ہیں، چنانچہ مہاراشٹر حکومت نے غیر قانونی اسقاط حمل کو روکنے کے لئے سخت قانون بنانے کا اعلان کیا ہے، اعلان ذیل میں پڑھئے:۔

”مہاراشٹر میں غیر قانونی طور پر ہونے والے اسقاط پر قابو پانے کے لئے اقدامات تجویز کرنے کے لحاظ سے تشکیل نورکنی کمیٹی نے ایم ٹی پی قانون میں ترامیم کی سفارش کی ہے، جنس کے تعین پر قابو پانے کی سرکاری کوششوں کے تحت یہ مشورہ دیا گیا ہے، وزیر صحت سریش شیٹی نے گذشتہ روز کہا کہ پیدائش سے قبل جنس کے تئیں سے جڑے قانون (پی سی پی اینڈ ای ٹی) کے عمل پر مرکزی حکومت کام کر رہی ہے اس لئے یہ سفارشات مرکز کے پاس بھیجی جائیں گی انہوں نے کہا کہ (پی سی پی اینڈ ای ٹی) ریاستی سطح کے اجلاس میں سفارشات پر بحث کی جائے گی، ملحوظ رہے کہ ڈاکٹر سنجے اوک کی صدارت والی کمیٹی نے ایم ٹی پی قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں سخت سزا کا مطالبہ

کیا ہے، کمیٹی کے مطابق حکومت کی جانب سے قائم ضلع سطحی کمیٹیوں پر نگرانی کے لئے ایک اعلیٰ اتھارٹی ہونا چاہئے، سفارشات میں ہر تین سال میں ایم ٹی پی مرکز کے رجسٹریشن کی تجدید کرنے کی بات بھی شامل ہے، اس سمت میں پرائیویٹ سیکٹر کے قانون کو ضروری بتایا گیا ہے، کہا گیا ہے کہ تمام ایم ٹی پی مراکز کا رجسٹریشن ممبئی نرسنگ ہوم ریگولیٹری قانون ۲۰۰۵ء کے تحت ہونا چاہئے، اس کے علاوہ کمیٹی نے دیگر تجاویز پیش کی ہیں'' (۸۲)

پورے ملک میں اسی طرح کا سخت قانون ہونا چاہئے تا کہ بیٹیاں قتل ہونے سے بچ جائیں، بیٹی کے تئیں اگر سخت قانون نہیں بنایا گیا تو ہمارے سماج و معاشر میں اور بھی مختلف قسم کی جنسی بیماریاں پھیل جایں گی، کیوں کہ پڑھا لکھا طبقہ بھی بیٹی کی عظمت کے تئیں جاہل ہے، سماج و معاشرے کے ایک گھر اور ایک فرد کا اثر، دوسرے گھر اور افراد پر پڑتا ہے، ہمارا معاشرہ ایسی صورتِ حال سے بگڑتا جا رہا ہے، ایک جاہل گنوار عورت بیٹی کو زحمت سمجھ کر حمل میں جنس کا تعین کر کے بیٹی کا قتل کر دیتی ہے تو اس کا اثر بیٹی کی عظمت جاننے والی خاتون پر بھی پڑتا ہے، لہٰذا وہ بھی وہی کام کرتی ہے جو جاہل گنوار نے کیا تھا، ایک غریب اور مفلس عورت اپنی غریبی اور مفلسی کے خوف سے بیٹی کو قتل کرتی ہے تو مالدار عورت بھی اس سے متاثر ہو کر وہی کرتی ہے جو غریب نے کیا تھا، جاہلیت کا یہ طریقہ ختم ہونا چاہئے، ہمارے ملک میں جنس کا تعین کر کے قتل کرنا قانوناً جرم ہے، اس جرم پر جو سزا مقرر ہے جب تک اس کا نفاذ نہیں ہوگا، یہ معاملہ رکنے والا نہیں ہے، بیٹی کے قتل کے خلاف آوازیں بلند ہو رہی ہیں، یو پی کے ایڈیشنل ڈائرکٹر طب و صحت اور کنبہ بہبود کے ڈاکٹر ایس اے رضوی نے کہا:۔

رحم مادر میں لڑکیوں کا قتل قابلِ سزا جرم ہے

سی ایم او دفتر کے آڈیٹوریم میں ورکشاپ سے ایڈیشنل ڈائرکٹر صحت کا خطاب

''رحمِ مادر میں بچہ کی جانچ اور رحمِ مادر میں لڑکیوں کا قتل، سماج میں مرد و خواتین کے ایک مقررہ توازن کو بگاڑ رہا ہے جو ایک خطرے کی علامت ہے، اس پر قابو پانے کے لئے عوام کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے، ان خیالات کا اظہار ایڈیشنل ڈائرکٹر طب و صحت اور کنبہ بہبود کے ڈاکٹر ایس اے رضوی، لکھنؤ منطقہ

کے تحت پی سی پی این ڈی ٹی ایکٹ کے تحت تشکیل ضلعی مشاروتی کمیٹی کے ورکشاپ کے موقع پر کیا، انہوں نے کہا کہ مادر رحم میں جنس کی جانچ کرا کر شکمِ مادر میں لڑکیوں کا قتل کر دینا قانوناً جرم ہے، اس لئے مشاورتی کمیٹی کے ممبران اس سختی سے قابو پانے کی کوشش کریں، چیف صحت افسر ڈاکٹر اے کے مشرا نے کہا کہ مشاورتی کمیٹی اپنے حقوق کو سمجھ کر اس برائی پر قابو پانے کے لئے الٹرا ساونڈ کی جانچ کریں میٹنگیں اور منعقد کریں، جس میں اہل افسران مناسب فیصلہ کر سکیں، رحمِ مادر میں لڑکیوں کا قتل اور جنس کی جانچ میں جو ملوث ہوں اسے مجرم قرار دیا جانا چاہئے اور ان کے تعلق سے کسی بھی طرح کی ہمدردی نہ کی جائے، ان پر ایکٹ کے ضابطوں کے مطابق سخت کاروائی بھی کی جائے، انہوں نے الٹرا ساونڈ سینٹروں سے سی ایم او دفتر کو رپورٹ بھیجنے کو یقینی بنائے جانے کی ہدایت دی، ورکشاپ میں پی سی پی این ڈی ٹی کے ایکٹ کے سلسلے میں منطقائیا پروجیکٹ منیجر راجا رام یادو نے تفصیلی روشنی ڈالی، اس کے علاوہ ڈاکٹر پنکج سنہا جوائنٹ ڈائرکٹر کنبہ بہبود اور پنکج بھسین کے ذریعہ منطقہ کے ضلع مشاورتی کمیٹی کے ممبران کی غلط فہمیوں کا تصفیہ کیا گیا'' (۸۳)

جنس میں بیٹیوں کے قتل کا معاملہ ''پانی سر سے اونچا ہونا'' کی طرح حد سے زیادہ ہو گیا ہے تو اب لوگوں کی آنکھیں کھلی ہیں اور لوگ متحرک ہوئے ہیں، عام لوگوں سے لے کر حکومت اور کورٹ کچہری کے نمائندے سب کے سب بیدار ہوئے ہیں، چنانچہ ممبئی ہائی کورٹ نے ''پوٹیبل'' سونو گرافی مشین پر پابندی لگا دی ہے، اخبار کی رپورٹ ذیل کی سرخیوں کے ساتھ اس طرح سے ہے:۔

پوٹیبل سونو گرافی مشین پر ممبئی ہائی کورٹ کی پابندی

مادرِ رحم میں جنس بتائے جانے کے واقعات پر قدغن لگانے کے لئے ہائی کورٹ کا فیصلہ، ریڈیو لوجسٹ نامی تنظیم کی عرضی خارج

''مادر رحم میں بچیوں کا اسقاط کرانے کے واقعات میں اضافہ کے بعد ہائی کورٹ نے جدید آلہ جنسی تشخص (پوٹیبل سونو گرافی مشین) کو ممنوعہ قرار دیا ہے،

ہائیکورٹ کی دورکنی بینچ کے جسٹس پی جے مجمد ار اور جسٹس مردلا بھاٹکر نے پوٹیبل سونوگرافی کی حمایت میں داخل کردہ ریڈیولوجسٹ کی عرضی کو خارج کردیا ہے، مذکورہ تنظیم نے ایک عرضی داخل کر کے ہائیکورٹ کی دورکنی بینچ کو یہ بتلایا تھا کہ اس جدید سونوگرافی مشین کا استعمال صرف عارضہ کا شکار مریضوں پر ہی کیا جاتا ہے، جس مریض کی حالت ٹھیک نہیں ہوتی اسی مریض کو اس مشین سے گزارا جاتا ہے، جبکہ سرکاری وکیل اودے ویرونجکر نے مخالفت کی جس کے بعد ہائیکورٹ نے اس مشین کے استعمال پر روک لگادی ہے، مادررحم میں بچہ کا جنس بتائے جانے کے واقعات پر قدغن لگانے کے لئے ہائیکورٹ نے سونوگرافی مشین پر ہی روک لگائی تھی۔

لیکن بعدازاں اسے ہری جھنڈی دکھائی گئی جبکہ ڈاکٹروں نے اب ''پوٹیبل سونوگرافی مشین'' کا استعمال شروع کردیا ہے اس مشین پر پابندی لگانے کے لئے ۲۸ ر جولائی ۲۰۱۱ء کو ایک حکمنامہ بھی جاری کیا گیا تھا، جس کے بعد اس مشین پر پابندی لگادی گئی تھی، بی ایم سی انتظامیہ کے اس پابندی کے خلاف ڈاکٹروں کی تنظیم ریڈیولوجسٹ نے ہائیکورٹ میں ایک عرضی داخل کی تھی جس میں پوٹیبل سونوگرافی مشین کے استعمال کی اجازت طلب کی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ یہ مشین جنس بتانے کے لئے نہیں استعمال کی جاتی، لیکن سرکاری وکیل نے اس کی مخالفت کی اور پھر ہائیکورٹ نے اسے خارج کردیا۔

دورکنی بینچ نے بچیوں کی تعداد میں کمی پر بھی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی بچیوں کو مادررحم میں قتل کردیا جاتا ہے، ملک کی ترقی کے لئے بچیوں کی پیدائش خوش آئند ہے لیکن اس کے باوجود ترقی یافتہ دور میں اس کی مخالفت کی جاتی ہے کیوں؟ یہ ہمیں غوروفکر دیتا ہے'' (۸۴)

اس سلسلہ میں ہندوستان کے متعدد شہروں میں متعدد ڈاکٹروں پر مقدمہ چل رہا ہے، جو حمل میں جنس کی پہچان کر کے بیٹی کے قتل کی وارادات میں پوری طرح سے ملوث ہیں، ڈاکٹر آخر ایسا

کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ روپیہ کے لئے، ایسے ڈاکٹروں کو سوچنا چاہئے کہ کیا روپیہ لے کر جان مارنا درست ہے؟ تو وہ بھی نفی میں جواب دیں گے، تو پھر گھوم کر وہی سوال گھیرتا ہے کہ پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

تیس برسوں میں سوا کروڑ لڑکیوں کا قتل

''ہندوستان میں گزشتہ تین دہائیوں میں ایک کروڑ بیس لاکھ لڑکیوں کو رحم میں جنس کا پتہ لگا کر مار دیا گیا، سینٹر فار گلوبل ہیلتھ ریسرچ کے اس سال کرائے سروے میں یہ حقائق سامنے آئے ہیں، اس کی تصدیق اقوام متحدہ کے ادارے حق کمیٹی کی اکتوبر ۲۰۱۰ء کی رپورٹ میں بھی ہوئی ہے، ہندوستان میں ۲۰۱۱ھ کی مردم شماری سے اشارہ ملتا ہے کہ چھ سال تک کے بچوں کے تناسب میں لڑکیوں کی تعداد میں مسلسل کمی دکھائی دے رہی ہے، ایک ہزار لڑکوں میں لڑکیوں کی تعداد ۹۱۴ رہ گئی ہے، ملک کی کئی بڑی ریاستوں مہاراشٹر، پنجاب، ہریانہ، مدھیہ پردیش وغیرہ ریاستوں میں یہ شرح ۹۱۴ سے بھی کم ہے، پنجاب اور ہریانہ میں یہ اعداد وشمار بالترتیب ۸۴۶ اور ۸۳۰ ہے، اقوام متحدہ کے ادارے حق کمیٹی کا ماننا ہے کہ ایشیائی ممالک خاص طور پر ہندوستان اور چین میں ۱۱ کروڑ ۷۰ لاکھ لڑکیوں کی جنس کا پتہ لگا کر انہیں قتل کیا گیا، بال حق کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے لئے یہ فکر کا سبب بنا ہوا ہے'' (۸۵)

۶/ لاکھ بیٹیوں کا سالانہ قتل

ایک سروے کے مطابق ہندوسانی میں سالانہ ۶/ لاکھ بیٹیوں کا مادرِ رحم میں قتل کر دیا جاتا ہے، اسی بنا پر لڑکیوں کا تناسب تیزی سے گھٹتا جارہا ہے، اخبار سہارا لکھتا ہے:

''نئی دہلی (ایجنسیاں) تیزی سے فروغ اور ترقی کے بعد بھی خواتین کی حالت خاص کر ہندوستان میں کوئی بہتری نہیں آئی ہے، جنس تناسب کے معاملے میں ہندوستان اپنے پڑوسی ممالک اور دنیا کے نئے بڑے ممالک سے

کافی پیچھے ہے، ہندوستان میں ہر سال 6 لاکھ بیٹیاں پیدا نہیں ہو پاتیں، ملک میں 6 سال سے کم عمر میں لوگوں میں جنسی تناسب محض 914 کا ہے، اٹرنیٹو اکنامک سروے میں اعداد و شمار کے مطابق ہر سال 6 لاکھ بچیاں پیدا نہیں ہو پاتی ہیں جنہیں ملک کے اوسطاً جنسی تناسب کے حساب سے دنیا میں آنا تھا، 2011 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں فی 1000 مردوں پر 940 خواتین ہیں، یہ اعداد و شمار بھی حوصلہ افزا نہیں ہے، یوں تو یہ جنسی تناسب گزشتہ 20 سال میں سب سے بہتر ہے لیکن نہ ہمارے پڑوسی ترقیاتی ملک یا تیزی سے ترقی کر رہے ممالک کے مقابلے بے حد کم ہے، پڑوسی ممالک کی بات کریں تو نیپال میں فی مردوں پر 1041 خواتین ہیں، انڈونیشیا میں 1000 مردوں پر 1004 خواتین اور چین میں یہ تناسب 944 کا ہے، پاکستان میں جنسی تناسب میں 939 کے اعداد و شمار کے مطابق زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک میں تو خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ درج کی گئی ہے، ورلڈ فیکٹ بک کے ذریعہ بتائے گئے اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں اوسطاً 1000 مردوں پر 990 خواتین ہیں۔

برازیل، امریکہ، روس، جاپان، نائیجریا، فرانس، ویتنام، اور اسرائیل میں بھی جنسی تناسب زیادہ ہے، ماہرین کا ماننا ہے کہ کہ بیٹی جنین کشی کی رواج امیروں میں زیادہ ہے، اس کی ایک وجہ جنس کی شناخت اور اس کو ضائع کرنے کا عمل بھی مہنگا ہے، ماہرین کا ماننا ہے کہ خوش حال کنبہ ہی اس خرچ کو برداشت کرنے کے اہل ہوتے ہیں، ایسے میں خوش حال طبقہ میں بیٹے کی شناخت میں بیٹی جنین کشی کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں اور اس طبقہ میں بچوں کا تناسب کم ہے، ہندوستان کے اہم مذہبی طبقات کی بنیاد پر مردم شماری کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ عیسائی طبقہ میں تناسب زیادہ ہے، دوسرے نمبر پر مسلم اور تیسرے نمبر پر ہندو ہیں۔

بچوں میں جنس تناسب (0-6 سال کے بچوں کے لئے) کی بنیاد پر عیسائی طبقہ میں جنس تناسب 964 ہے، جنس تناسب کے معاملے میں مسلم دوسرے نمبر پر ہیں اور یہاں قومی سطح پر اوسطاً اس کی حالت بہتر ہے، گزشتہ مردم شماری کے مطابق مسلم طبقہ میں فی کس 1000 مردو پر 950 خواتین ہیں"۔(۸۶)

جنس میں بیٹی کے قتل کے واقعات نے سیاست دانوں، مفکروں، دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کو ہلا کر رکھ دیا ہے، ہر طبقہ سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں، شمیم جو ہر نے بھی خوب لکھا ہے:

غزل ہوں، گیت ہوں، نغمہ ہوں، گنگناؤ مجھے
تمہاری نسل ہوں، تہذیب ہوں بچاؤ مجھے
کرو نہ آج مجھے قتل رحم مادر میں
مرا قصور مسیحا کچھ بتاؤ مجھے
ہاں ٹھہرو، سونوگرافی میں یہ بھی جانچ کرو
وفا ہوں، عشق ہوں، ممتا ہوں، نہ گراؤ مجھے
ابھی تو جسم کے اعضاء بھی بن نہیں پائے
نحیف روح ہوں پہنچاؤ یوں نہ گھاؤ مجھے
نئے زمانے کے دیکھو نہ یوں بنو جلاد
مسیحا بن کے دکھاؤ، نہ کاٹ کھاؤ مجھے
میں نورِ عین یالختِ جگر نہیں تو کیا
تمہارا خون ہوں، ایسے نہ بہاؤ مجھے

۹ر اکتوبر ۲۰۱۱ء کا اخبار اٹھا کر دیکھئے، ریاست مدھیہ پردیش کے ایک گاؤں "بودنا" میں ہوا کہ کسی عورت یا مرد نے اپنے چھوٹی بچی کو گڑھا کھود کر دفن کر دیا، اس کام کو کرتے ہوئے کوئی دیکھ نہ لے اس وجہ سے جلدی میں مٹی پوری طرح نہ ڈال سکا، جیسے تیسے دفن کر کے چلا گیا، ہاتھ پاؤں مارنے اور حرکت کرنے کی وجہ سے چہرے سے مٹی ہٹی تو بچی رونے لگی، اسی کے قریب ایک کسان اپنے کھیت میں کام کرنے لئے پہنچا تو بچی کے رونے کی آواز سن کر اس کے

قریب گیا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بچی کو گڑھا کھود کر دفن کیا گیا ہے، اس نے گڑھا سے بچی کو نکال کر اس کی جان بچائی۔

اس دورِ ترقی میں ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے، ان کو بیچنے، مارنے اور نفرت کرنے کی ناپاک رسم زندہ ہے، یہ بچیوں کے قتل کرنے کے مختلف طریقے ہیں، قتل، قتل ہے چاہے جس طریقے سے کئے جائیں، اگر کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ خام حمل قتل نہیں ہے تو یہ بہت بڑی جہالت اور ناعقلی کی بات ہے، اسی ناعقلی کی وجہ سے لڑکیوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے، ۱۹۹۱ء کے مردم شماری میں لڑکیوں کی تعداد کی رپورٹ جو سامنے آئی تھی اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ایک ہزار مردوں پر 972 عورتیں ہیں، ۲۰۰۱ء کی میں رپورٹ میں آیا کہ ایک ہزار مردوں 933 عورتیں رہ گئی ہیں۔ دن بدن یہ تعدا گھٹتی جا رہی ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ تناسب صرف غیر مسلم میں ہے، مسلمانوں کی حالت بھی بدتر ہے، آخر ایسا کیوں؟

مسلمانوں کے پاس قرآن ہے احادیث ہیں جن کے اندر صاف صاف کہدیا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو تو مسلمان پھر بیٹیوں کا قتل کیوں کرتے ہیں؟

فرینڈشپ ڈے کیا ہے؟

ریپبلک ڈے (۲۶ر جنوری) بینک ہولی ڈے (ار اپریل اور ۳۰ر ستمبر) مہاراشٹر ڈے (ار مئی) اینڈ پینڈنیس ڈے (۱۵ر اگست) کی طرح جدیدیت کے مارے لڑکے اور لڑکیاں فرینڈ شب ڈے اگست کے پہلے سنڈے (اتوار) کو عجیب رنگ میں رنگ کر مناتے ہیں، لڑکے اور لڑکیاں اپنے فرینڈ کا نام سینے پر، پشت پر، بازو پر، چہرے پر لکھ کر اپنی محبت کا ثبوت دیتے، ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ڈانس کرتے، ایک ساتھ گھومتے، تفریح کرتے، کھانا کھاتے اور نہ جانے کیا کیا کرتے ہیں، اور اسی مجنوئیت کی حالت میں اپنے گھر کو لوٹتے ہیں تو ان کے والدین اس جدید دور کے لیلیٰ اور مجنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو ضرور ہیں لیکن کچھ کہنے اور بولنے کی ہمت نہیں کرتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جدید نسل اپنے والدین اور معاشرے پر حاوی ہو چکے ہیں، اسلام ایسے طرز وروش کو بالکل پسند نہیں کرتا اس کے ساتھ مشرقی تہذیب میں بھی ایسی حرکتوں کی گنجائش نہیں ہے، لیکن یوروپ امریکہ کی دین ہے کہ اس بلا، وبا، مرض اور بیماری کو مشرقی تہذیب جھیل رہا ہے، یہاں تک کہ

والدین جو بچوں پر حاکم ہیں محکوم بنے نظر آتے ہیں، یہ طریقہ معاشرے کو کس غار میں ڈھکیلے گا بلکہ ڈھکیل چکا ہے اس کا مشاہدہ ہر صاحب بصیرت کرتے، سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر کچھ بولتے نہیں، سماج کے لوگوں میں اب خوبی نہیں رہ گئی کہ وہ آگے بڑھ کر برائیوں کو روک سکیں، سماج میں مجرم ایک ہو، دس پاک ہو تو دس ایک کو پکڑے، جب سب کے سب مجرم ہوں تو کون کس کو پکڑے گا؟ ایسے لڑکے اور لڑکیاں بے ادب ہیں، ان کا جب یہ حال ہے تو ان کی اولاد کیسی ہوں گی؟ ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں
مَعْدِن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

بے ادب ماں کی اولاد، بے ادبی میں ماں سے چار قدم آگے نکل رہی ہے، ماں چھپ کر غیر مردوں سے عشق کرتی تھی، اس کی اولاد ماں باپ دونوں کے سامنے عشق کا سوانگ دکھاتی ہیں، ماں چھپ کر سکریٹ پیتی تھی، اولاد ڈیڈی اور ممی دونوں کو دکھا کر سکریٹ اور شراب نوشی کرتی ہے، ماں رات کو بارہ بجے گھر میں آتی تھی، اولاد رات کو دو بجے گھر میں داخل ہوتی ہے، ماں کھلے سر، کھلے بال رہتی تھی، اولاد کھلے سر اور کھلے بال کے ساتھ ہی رکھتی ہے اور غیر مردوں سے سر اور جسم کا مساج کراتی ہے، یہ قصہ اتنا طویل ہے کہ اس کے بعد شاید اس قصہ کا سرا نہیں ہے۔

ترقی ہی ترقی

ہر چیز ترقی کر رہی ہے، کچی گلیاں پختہ ہو گئیں، مخدوش سڑکیں مضبوط ہو گئیں، پرانی عمارتیں نئی بن گئیں، خالی جگہوں پر بڑے بڑے ٹاورس کھڑے ہو گئے، گاؤں دیہات میں بھی شہروں کا سماں دیکھنے کو ملتا ہے، کنگال کا بچہ کما کما کر کروڑ پتی بن گیا، خالی پیٹ دال روٹی سے نہیں، مرغ مسلّم سے پُر ہو رہے ہیں، اس پُرنے لوگوں کے پَر نکال دیئے، دولت نے اس پَر کو مستحکم کر دیا تو اب کوئی کسی سے ڈرتا نہیں ہے، اسی دولت کے بَل پر لاٹھیاں چلتیں، بندوق سے گولیاں نکلتیں، اغوا کئے جاتے، جرائم ہوتے، قتل ہوتا، رہزنی ہوتی، عصمت لوٹی جاتی، ٹھگی، دھوکہ، فریب، غصب پیشہ بن گئے، یہ سب نہیں کریں گے تو ترقی کیسے ہوگی، ترقی کے نام پر مذہب، ملت، محبت سب کے کُل و جز کو اغوا کر کے قید کر دیا گیا ہے، انسان نے انسانیت کی راہ کو چھوڑ کر حیوانیت کے راستے کو اختیار کر لیا ہے،

قانون کو بالائے طاق رکھ دیا، خوف خدا سے بے پرواہ ہو گئے تو ہر طرف جرائم ہی جرائم نظر آتے ہیں، مہاراشٹر میں ہونے والے جرائم پر ایک نظر ڈالئے:

مہاراشٹرا میں جرائم کی وارداتوں میں اضافہ

تھانے (ایجنسی) سی آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق ریاست میں گذشتہ سال عصمت دری، قتل، قتل کی کوشش، اغوا کے معاملات میں اضافہ ہوا ہے، ریاست بھر میں آئی پی سی کے تحت فی 3 منٹ میں 1 معاملہ اور خاص اور مقامی قانون کے تحت فی 4 منٹ میں 1 مقدمہ درج ہوتا ہے۔

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ریاست میں نابالغ لڑکیاں بالکل محفوظ نہیں ہیں، سال 2010 کے مقابلے میں 2011 میں 10 سال سے کم عمر کی نابالغ بچیوں کی عصمت دری کے معاملے میں 5 2 فیصد کا اضافہ ہوا ہے جبکہ 2011 میں 14 سے 18 کی عمر کے درمیان کی نابالغ لڑکیوں کی عصمت دری کے معاملے میں 96.3 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔

رپورٹ کے مطابق 2010 کے مقابلے میں 2011 میں چین اسنیچگ کے واقعات میں 14 . 2 فیصد، اغواء کے واقعات میں 10 . 7 فیصد، ٹھگی کے معاملات میں 8.4 فیصد، قتل کے واقعات میں 7.2 فیصد، قتل کی کوشش کے واقعات میں 3.9 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ ریاست کے سائبر کرائم معاملات میں 2010 کے مقابلے میں سال ۲۰۱۱ء میں 60 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔

اس کی کچھ تفصیل اس طرح سے ہے:

جرائم	2011	2010
قتل	2818	2744
عصمت دری	1701	1599
چین اسچینگ	53449	52565
ٹھگی	9098	8684

رہزنی..........4249..........................3721

اغواء..........1669 ....1508(۸۷)

ویلن ٹائن ڈے کیا ہے؟

مسلم نو جوانوں! پہلے معلوم کرو، پھر میدان میں کودو، تم مسلمان ہو، نقل در نقل کی روش سے پہلے تحقیق کرو، تم ویلن ٹائن ڈے مناتے ہو، مسلمان لڑکیاں بھی مناتی ہیں، کبھی غور کیا کہ یہ ویلن ٹائن ڈے کیا ہے، کس کی یاد میں مناتے ہو، کیوں مناتے ہو؟ یہ ویلن ٹائن ڈے کب سے منایا جا رہا ہے؟ کس کی یاد میں منایا جاتا ہے؟ ایک پادری کا نام ''ویلن ٹائن'' تھا، تھا تو وہ پادری یعنی مذہبی رہنما، مذہب کی آڑ میں وہ عیاشی کرتا تھا، اس کی پاپ کی ہانڈی جب پھوٹی اور وہ پکڑا گیا، جرم ثابت ہی نہیں ہوا بلکہ اس کا جرم سورج کی روشنی کی طرح چمکتا تھا، اس کی عیاشی و بدکاری کے جرم میں اس کو ۱۴ر فروری کو ہلاک کیا گیا، عیاش و اوباش اور بدکار لوگ اس کے طرف دار ہو گئے، انہیں لوگوں نے ۱۴ر فروری کو ''ویلن ٹائن'' کی یاد منانے کی گندی رسم کی بنا ڈالی، یہ مغرب کی بات تھی، مغرب میں تھی، مغرب میں ہی رہنی چاہئے تھی، لیکن جب سے عالمی برادری ایک کنبہ میں تبدیل ہوئی ہے، بدکار کی بدکاری کا جشن منانے کا طریقہ ہماری مشرقی تہذیب میں بھی آ گیا، مسلمان نو جوان لڑکے اور لڑکیوں نے نہ کچھ سوچا نہ سمجھا اور ''ویلن ٹائن ڈے'' منانے کی بیماری میں گرفتار ہو گئے، اب ۱۴ر فروری کو زرق و برق لباس پہن کر لڑکے لڑکیاں پھولوں کے ہار، گلدستے و دیگر تحفے لے کر دریا و سمندر کے کنارے، جھاڑیوں، پارکوں اور پہاڑوں پر نکل جاتے ہیں، جہاں آوارگی کا مظاہرہ کرتے، بے ہودگی کو پروان چڑھاتے، فحاشی کی حد کو پار کرتے، شہوانیت کی آگ بجھا کر اخلاقی قدروں کو پامال کرتے ہیں، گویا یہ ایک طرح سے اپنی قوم وملت کو، اپنے والدین کو، اپنے سماج کو چیلنج کرتے ہیں کہ ہم وہی کریں گے جو ''ویلن ٹائن'' نے کیا تھا، تم میں ہمت ہے تو ہم کو روک کر دکھاؤ! اور افسوس یہ ہے کہ یہاں دین دھرم، ذات پات بھی نہیں دیکھی جاتی ہے، یہاں سے کنواری ماؤں کا بھی وجود ہوتا ہے۔

حوالے

(۱) ماہنامہ ''استقامت'' ....کان پور............جنوری ۱۹۸۹ء............صفحہ ۷۱۔۷۲
(۲) ماہنامہ ''استقامت'' ....کان پور............جنوری ۱۹۸۹ء............صفحہ ۷۱۔۷۲
(۳) ''جنگ'' لندن ۵؍مارچ ۱۹۹۰ء۔ بحوالہ ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی، رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ ص ۱۹
(۴) ''جنگ'' لندن ۵؍مارچ ۱۹۹۰ء۔ بحوالہ ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی، رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ ص ۱۹
(۵) ماہنامہ ''الفاروق'' ....کراچی............رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(۶) پیر محمد کرم شاہ............تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۳............صفحہ ۲۸۶
(۷) جنگ ۱۵؍فروری ۱۹۹۱ء............بحوالہ ماہنامہ الفاروق کراچی............رمضان ۱۴۱۰ھ
(۸) ہفت روزہ ''نئی دنیا'' دہلی............۱۸ تا ۲۴؍اکتوبر ۱۹۹۱ء............صفحہ ۴ اور ۸
(۹) ماہنامہ ''حجازِ جدید'' دہلی............اکتوبر ۱۹۹۱ء............صفحہ ۶۳
(۱۰) پارہ ۱۸............النور............آیت ۲
(۱۱) روزنامہ ''انقلاب'' ممبئی............۳۱؍دسمبر ۱۹۹۲ء............صفحہ ۲............کالم نمبر ۶
(۱۲) ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی............ربیع الاول ۱۴۱۱ھ............صفحہ ۱۰
(۱۳) ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی............ربیع الاول ۱۴۱۱ھ............صفحہ ۱۲
(۱۴) ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی............ربیع الاول ۱۴۱۱ھ............صفحہ ۱۲
(۱۵) روزنامہ راشٹریہ سہارا ممبئی ایڈیشن............۱۱؍اگست ۲۰۲۱ء............صفحہ ۱۰
(۱۶) پیر کرم شاہ صاحب............تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۱............صفحہ ۳۱۸
(۱۷) پیر کرم شاہ صاحب............تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۱............صفحہ ۳۱۸
(۱۸) عقیل احمد خاں............یادوں کا سفر............ناشر آل انڈیا یونم کلچر سوسائٹی، کانپور

(۱۹) پیر محمد کرم شاہ.......... ماذا خسر العالم.......... بحوالہ ضیاء القرآن جلد ۱...... صفحہ ۵۰۸
(۲۰) پیر محمد کرم شاہ....... ریڈرڈ ائجسٹ.......... مئی ۱۹۶۴ء، بحوالہ ضیاء القرآن جلد ۱...... صفحہ ۵۰۸
(۲۱) روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی.......... یکم اپریل ۱۹۹۱ء.......... صفحہ ۶.......... کالم ۳ تا ۴
(۲۲) روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی.......... یکم اپریل ۱۹۹۱ء.......... صفحہ ۶.......... کالم ۴ تا ۶
(۲۳) پارہ ۸.......... الانعام.......... آیت ۱۶۱
(۲۴) خزائن العرفان.......... برحاشیہ صفحہ ۲۱۷.......... تاج کمپنی لمیٹڈ
(۲۵) پارہ ۲۸.......... الطلاق.......... آیت ۸ تا ۱۰
(۲۶) پیر محمد کرم شاہ ازہری.......... تفسیر ضیاء القرآن.......... جلد ۵.......... صفحہ ۲۸۶
(۲۷) روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی.......... ۷/ مئی ۱۹۹۱ء.......... صفحہ ۴...... کالم ۳
(۲۸) اخبار ''جنگ''.......... بحوالہ ماہنامہ ''استقامت'' کانپور.......... جنوری ۱۹۸۴ء
(۲۹) علامہ کمال الدین دمیری.......... حیات الحیوان.......... جلد دوم.......... صفحہ ۶۰۶
(۳۰) روزنامہ راشٹریہ سہارا...... ۱۶/ دسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعہ.......... ص ۱۶.......... ممبئی ایڈیشن
(۳۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا...... ۱۵/ مئی ۲۰۱۲ء بروز جمعہ.......... ص ۱۰.......... ممبئی ایڈیشن
(۳۲) روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی.......... ۳/ اگست ۱۹۹۱ء
(۳۳) ہفت روزہ ''نشیمن'' بنگلور.......... یکم ستمبر ۱۹۹۱ء
(۳۴) روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی.......... ۸/ جون ۱۹۹۱ء
(۳۵) روزنامہ راشٹریہ سہارا ممبئی.......... ۸/ اگست ۲۰۱۱ء۔ ص ۱
(۳۶) روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی.......... ۳۰/ مئی ۱۹۹۱ء۔ ص ۴
(۳۷) ہفت روزہ نئی دنیا، نئی دہلی.......... ۱۱ تا ۱۷ جنوری ۲۰۱۰ء.......... صفحہ ۲۰
(۳۸) جنگ، کراچی، بحوالہ ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی.......... رمضان ۱۴۱۰ھ
(۳۹) سید محمد قطب، ترجمہ، محمد سلیمان کیانی ایم اے۔ اسلام اور جدید ذہن کے شبہات...... صفحہ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۶
(۴۰) ماہنامہ استقامت۔ کانپور.......... دسمبر ۱۹۸۸ء۔ صفحہ ۸۶

(۴۱) شمع میگزین، نئی دہلی.................ستمبر ۱۹۸۸ء صفحہ ۲۲..........کالم نمبر ۳
(۴۲) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........یکم دسمبر ۲۰۱۱ء صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۶..........ممبئی ایڈیشن
(۴۳) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۱۹؍مارچ ۲۰۱۲ء..........ص ۱۰..........ممبئی ایڈیشن
(۴۴) ہفت روزہ ''نشیمن'' بنگلور..........۲۱؍اکتوبر ۲۰۱۲ء..........صفحہ ۶
(۴۵) ماہنامہ ''الفاروق''..........ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ..........صفحہ ۶۴
(۴۶) ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی..........رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(۴۷) ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی..........رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(۴۸) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۱۰؍اکتوبر ۲۰۱۱ء۔ پیر، صفحہ ۱۲..........ممبئی ایڈیشن
(۴۹) مفسر قرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری..........تفسیر ضیاء القرآن جلد ۴..........صفحہ ۴۶
(۵۰) پارہ ۱۸۔..........النور۔ آیت ۳۳..........کا ایک جز
(۵۱) حاشیہ کنز الایمان..........از مفسر قرآن علامہ سید نعیم الدین، مرادآبادی
(۵۲) مفسر قرآن پیر محمد کرم شاہ ازہری..........تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۳..........صفحہ ۳۲۲۔۳۲۳
(۵۳) تفسیر ضیاء القرآن جلد ۳۔..........ص ۳۲۳
(۵۴) بہار شریعت حصہ اول۔..........ص ۲۱
(۵۵) ترجمہ مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری ''بخاری شریف، کتاب النکاح۔ ص ۷۲۔۷۳
(۵۶) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۱۱؍اکتوبر ۲۰۱۱ء..........ممبئی ایڈیشن
(۵۷) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۱۱؍اکتوبر ۲۰۱۱ء..........ممبئی ایڈیشن
(۵۸) ہفت روزہ نئی دنیا..........۱۱ تا ۱۷ جنوری ۲۰۱۰ء..........ص ۲۲..........نئی دہلی
(۵۹) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........اداریہ صفحہ ۷..........۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۲ء۔ ممبئی ایڈیشن
(۶۰) محمد اسعد قاسمی..........روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۲؍فروری ۲۰۱۱ء، بدھ۔ صفحہ ۹..........ممبئی ایڈیشن
(۶۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۳۱؍جولائی ۲۰۱۱ء۔ امنگ کا صفحہ ۱۔ ممبئی ایڈیشن
(۶۲) محمد صابر چودھری، دھاراوی، ۱۷۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا'' ممبئی۔ ۷؍اگست ۲۰۱۱ء، ص ۷، کالم ۶
(۶۳) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۱۲؍اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۳..........ممبئی ایڈیشن

(۶۴) آصف پلاسٹک والا............روزنامہ راشٹریہ سہارا..........ا/نومبر ۲۰۱۱ء........صفحہ ۷
(۶۵) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۳ جنوری ۲۰۲۱ء............ص ۳ کالم ۳ تا ۷......ممبئی ایڈیشن
(۶۶) امام بن احمد بن ابی بکر خطیب القسطلانی.......مواہب اللدنیہ۔ اردو ترجمہ "سیرت محمدیہ.....
صفحہ ۳۶۵ تا ۳۶۷۔ فاروقیہ بکڈپو ۴۲۲ مٹیا محل دہلی ۶
(۶۷) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۷/نومبر ۲۰۱۱ء..........صفحہ ۵.......کالم ......۴.......ممبئی ایڈیشن
(۶۸) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۷/نومبر ۲۰۱۱ء..........صفحہ ۵.......کالم ۲۔۳۔۴ ممبئی ایڈیشن
(۶۹) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۷/نومبر ۲۰۱۱ء..........صفحہ ۵.........کالم ۔۴.....ممبئی ایڈیشن
(۷۰) روزنامہ انقلاب......۲۲/دسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۸/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ.....صفحہ ا......ممبئی ایڈیشن
(۷۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا...........۲۳/دسمبر ۲۰۱۲ء..........صفحہ ۱۱............ممبئی ایڈیشن
(۷۲) ڈاکٹر کوثر فاطمہ...روزنامہ راشٹریہ سہارا...۳۰/جولائی ۲۰۱۱ء....صفحہ ۷..کالم ۳...ممبئی ایڈیشن
(۷۳) تفسیر ضیاء القرآن۔ جلد ۵۔...................................صفحہ ۵۰۰۔۵۰۱
(۷۴) ڈاکٹر کاشی رام۔ امراضِ نسواں۔ صفحہ ۵۸۔ ناشر بی جین پبلشر ۱۹۲۰/گلی نمبر ۱۰، چونا منڈی، پہاڑ گنج، نئی دہلی ۵۵
(۷۵) ڈاکٹر کاشی رام۔ امراضِ نسواں۔ صفحہ ۶۴۔ ناشر بی جین پبلشر ۱۹۲۰/گلی نمبر ۱۰، چونا منڈی، پہاڑ گنج، نئی دہلی ۵۵
(۷۶) ڈاکٹر کاشی رام۔ امراضِ نسواں۔ صفحہ ۵۴۔۵۵۔ ناشر بی جین پبلشر ۱۹۲۰/گلی نمبر ۱۰، چونا منڈی، پہاڑ گنج، نئی دہلی ۵۵
(۷۷) ڈاکٹر کاشی رام۔ امراضِ نسواں۔ صفحہ ۵۵۔ ناشر بی جین پبلشر ۱۹۲۰/گلی نمبر ۱۰، چونا منڈی، پہاڑ گنج، نئی دہلی ۵۵
(۷۸) روزنامہ راشٹریہ سہارا۔ ۱۷/اگست ۲۰۱۱ء۔ صفحہ ۳۔.................................ممبئی ایڈیشن
(۷۹) روزنامہ راشٹریہ سہارا۔ ۲۴/اگست ۲۰۱۱ء، صفحہ ۹۔.................................ممبئی ایڈیشن
(۸۰) روزنامہ راشٹریہ سہارا..........۲۸/اگست ۲۰۱۱ء۔ صفحہ ۵...........................ممبئی ایڈیشن
(۸۱) روزنامہ راشٹریہ سہارا...........۲۹/ستمبر ۲۰۱۱ء۔ صفحہ ۸۔ کالم نمبر ۵...............ممبئی ایڈیشن

(۸۲) روزنامہ راشٹریہ سہارا.............۲۲ر اکتوبر ۲۰۱۱ء.............ص ۴..........ممبئی ایڈیشن

(۸۳)..

(۸۴) روزنامہ راشٹریہ سہارا.............۱۹ر نومبر ۲۰۱۱ء.............صفحہ ۵.........ممبئی ایڈیشن

(۸۵) روزنامہ راشٹریہ سہارا.............۱۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء.............ص ۵.........ممبئی ایڈیشن

(۸۶) روزنامہ سہارا.............۵ر مارچ ۲۰۲۱ء.............ممبئی ایڈیشن

غوث الوریٰ اکیڈمی کی مطبوعات
نشان حق وباطل
عیدوں کے عید اردو، ہندی
شراب اور انکے نقصانات
عید میلاد علمائے اہلسنت کی نظر میں
سبیلۂ بخشش
کنز الایمان اور امام احمد رضا
وسیلۂ بخشش
فضائل محرم
لطائف
نماز اہل ایمان کی معراج
ھجری ماہ وسال کے اجالے میں
شخص و عکس (امام احمد رضا اپنی نعت گوئی کے آئینے میں)
میت کفن سے دفن تک
سہ ماہی المختار کا امام علم وفن نمبر
نغمات بخشش
گلستان رضا
امام احمد رضا کے مبلغین
حرم سے حرم تک
تعارف محمد ادریس رضوی
عالمی برادری کا وحشت ناک معاشرہ
لھذا ادارے کی دینی، تبلیغی واشاعتی کاموں میں مالی تعاون فرما کر دارین کی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔
الجامعۃ الرضویہ
رضانگر، بیل بازار، ولی پیر روڈ کلیان ضلع تھانے مہاراشٹر
مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ
اندرانگر، امبرناتھ روڈ، والدھونی کلیان ضلع تھانے مہاراشٹر
Al Jamiatul Rizvia
Behinddesai Shopping Centre
Raza Nagar Bail Bazar Kalyan
9322329875
Madrasa Islamia
Yateem Khana
Indira Nagar Waldhuni Kalyan
9323737659